عملیاً بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین

29

رکعاتِ تراویح

(جدید ایڈیشن)

از

مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی

مدلّل بر ذوانوار مصابیح

حصّہ اول

از

مولانا عبدالباری قاسمی مدرس مفتاح العلوم مئو

باہتمام

مجلس علمی مفتاح العلوم

قیمت ۲/۸

اہل حدیث کا دوسرا دعویٰ

اہل حدیث کا دعویٰ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے بھی گیارہ ہی کا حکم دیا تھا، اس دعویٰ کی دلیل اہل حدیث کے پاس بجز سائب بن یزید کے اثر کے اور کچھ بھی نہیں ہے، سائب بن یزید کا یہ اثر موطائے امام مالک اور قیام اللیل میں منقول ہے اور اس کی نسبت ابتدائے رسالہ میں ہم شرح و بسط کے ساتھ یہ دکھا چکے ہیں کہ سائب کے اثر کو ان سے محمد بن یوسف نقل کرتے ہیں، اور محمد بن یوسف کے پانچ شاگرد ہیں، امام مالک، یحییٰ قطان عبدالعزیز بن محمد، ابن اسحٰق اور عبدالرزاق کے استاد، اور ان پانچوں میں سوائے امام مالک کے کوئی دوسرا یہ بیان نہیں کرتا کہ حضرت عمرؓ نے گیارہ کا حکم دیا، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ عبدالرزاق کے استاد تو سرے سے گیارہ کا نام ہی نہیں لیتے بلکہ وہ اکیس کا عدد ذکر کرتے ہیں، اسی طرح ابن اسحاق بھی گیارہ کے بجائے تیرہ کا عدد ذکر کرتے ہیں، باقی یحییٰ اور عبدالعزیز گیارہ کا عدد ضرور ذکر کرتے ہیں مگر یہ نہیں کہتے کہ حضرت عمرؓ نے گیارہ کا حکم دیا بلکہ اسکے بجائے یہ کہتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب یا ہم لوگ گیارہ پڑھتے تھے عمر کے حکم سے پڑھتے تھے، اسکا کوئی ذکر نہیں، ہاں ان دونوں میں سے یحییٰ نے اتنی بات ضرور کہی ہے کہ ابی ابن کعب پر لوگوں کو حضرت عمرؓ نے جمع کیا تھا، لیکن یہ نہیں کہتے کہ انھیں نے گیارہ پڑھنے کو کہا تھا اور حافظ عبداللہ صاحب جب تک حکم کی تصریح نہ ہو حکم کو تسلیم نہیں کرتے، رکعات التراویح میں کئی جگہ انھوں نے اس کو لکھا ہے، مثلاً صفحہ ۱۹ میں یزید بن رومان کے اثر کا یہ جواب دیتے ہیں

Marfat.com

کہ اس میں اس امر کی تصریح نہیں ہے کہ جو لوگ بیس رکعت پڑھتے تھے وہ بحکم حضرت عمرؓ پڑھتے تھے۔

خلاصہ یہ کہ اس اثر کے پانچ راویوں کے بیانات میں دو اختلاف پائے جاتے ہیں، ایک حضرت عمرؓ کے حکم دینے کی تصریح میں کہ امام مالک تو حکم دینے کی تصریح کرتے ہیں، باقی چار حضرت عمرؓ کے حکم دینے کا کوئی ذکر نہیں کرتے، اس اختلاف میں بالکل کھلی ہوئی اصولی بات ہے کہ امام مالک اگرچہ امام اور حافظ ہیں، مگر دوسرے چار راوی بھی اہل حدیث کی تصریحات کے بموجب ثقہ اور حافظ ہیں بلکہ ان میں سے یحییٰ تو حافظہ میں امام مالک کی ٹکر کے ہیں لہٰذا ایک ثقہ حافظ کے مقابلہ میں چار ثقہ حافظوں کا بیان ترجیح پائے گا اور اس اثر سے حضرت عمرؓ کا سرے سے حکم دینا ہی ثابت نہ ہو سکے گا جب تک کہ یہ تسلیم نہ کیا جائے کہ امام مالک کے علاوہ دوسرے حفاظ اگرچہ حضرت عمرؓ کے حکم دینے کی تصریح نہیں کرتے لیکن جب کہ انھیں میں سے بعض کے بیان اور دوسری روایتوں سے بھی ثابت ہے کہ حضرت ابی بن کعبؓ کو تراویح کا امام حضرت عمرؓ ہی نے مقرر کیا تھا، اور انھیں نے لوگوں کو ان دونوں کی اقتدا جمع کیا تھا تو حق و صواب یہی معلوم ہوتا ہے کہ رکعات تراویح کی تعیین بھی انھیں کے حکم سے ہوئی ہوگی، اس صورت میں حضرت عمر کا حکم بیشک ثابت ہو جائے گا اور رواۃ کا یہ اختلاف ختم ہو جائے گا، لیکن دوسرا اختلاف پھر بھی باقی رہے گا اور وہ اختلاف عدد کے ذکر کرنے میں ہے۔

اس اختلاف میں ابن اسحٰق جو خود راوی اثر ہیں انھوں نے تیرہ کو ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ یہی سائب کا بیان قرار پانے کا مستحق ہے اس لئے کہ حضرت کی شب کا عدد بھی تیرہ تھا (دیکھو رکعات التراویح ص۱۵) اور ابن عبدالبر مالکی اکیس کو ترجیح دی ہے اور گیارہ کو وہم قرار دیا ہے، لہٰذا اس اثر سے گیارہ عدد کا ثبوت بھی نہ ہو سکے گا، الّا یہ کہ گیارہ کی ترجیح کسی محدث سے ثابت کی جائے

Marfat.com

یا تینوں میں تطبیق کی راہ اختیار کی جائے اور ہم دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ اگلے محدثین میں کسی ایک محدث سے بھی ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ اس نے تیرہ اور اکیس کے مقابل میں گیارہ کو ترجیح دی ہے۔ . . . . . .

. . . . . محدثین نے اگر ترجیح دی ہے تو تیرہ کو یا اکیس کو ورنہ یوں تطبیق دی ہے کہ پہلے گیارہ رکعتیں تھیں بعد میں اضافہ کر دیا گیا (دیکھو مصابیح ص۴۷ و زرقانی شرح مؤطا و تحفۃ الاخیار ص۱۹۱)

پس اس تقدیر پر بھی حصر کے ساتھ یہ کہنا کہ حضرت عمرؓ نے گیارہ ہی کا حکم دیا تھا، غلط ہو جائے گا اور اس دعوی کی دلیل میں اس اثر کو پیش کرنا محض مغالطہ دینا اور عوام کی ناواقفیت سے ناجائز فائدہ اٹھانا ہے

یہ ہے حقیقت اس اثر کی جس کو نہایت زور و شور سے مبیں کی مخالفت میں پیش کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے گیارہ ہی کا حکم دیا تھا ناظرین انصاف سے بتائیں کہ مذکورہ بالا اختلاف رواۃ کے ہوتے ہوئے حصر کے ساتھ یہ دعوی کرنے میں کہ حضرت عمرؓ نے گیارہ ہی کا حکم دیا ہے، کیا محققانہ احتیاط کا نہیں بلکہ منصفانہ طرز گفتگو کی کوئی معمولی سی جھلک بھی نظر آتی ہے؟

ابھی تک ہماری گفتگو حضرت محمد بن یوسف کے طریق کار کو سامنے رکھ کر تھی لیکن جب ہم سائب بن یزید کے دوسرے شاگرد یزید بن خصیفہ کے بیان کو بھی سامنے رکھتے ہیں تو ہم کو اہل حدیث کی اس بیباکی اور جرأت پر اور بھی تعجب ہوتا ہے کہ حصر کے ساتھ حضرت عمرؓ کی طرف گیارہ کا حکم دینے کی نسبت کیونکر کی گئی اور یزید بن خصیفہ والی سائب کی اس روایت کو جس میں کوئی ادنیٰ اختلاف رواۃ نہیں ہے کس طرح نظر انداز کیا گیا۔ اور اس کے مقابلہ میں محمد بن یوسف والی سائب کی اس روایت پر اپنے دعوے کی بنیاد کیونکر رکھی گئی، جس میں مذکورہ بالا اختلاف رواۃ موجود ہے (۵۲)

---

(۵۲) اس پوری بحث پر الموی صاحب نے جو کلام کیا ہے سب کا جواب پہلے ہو چکا ہے۔

Marfat.com

سائب کا بیس والا اثر | یزید بن خصیفہ کی یہ روایت سنن کبری بیہقی صـ ۴۹۶ ج ۲ میں سند و متن کے ساتھ یوں مذکور ہے۔

قد اخبرنا ابوعبد الله الحسین بن محمد بن الحسین بن فنجویة الدینوری بالدامغان ثنا احمد بن محمد بن اسحاق السنی ثنا عبد الله بن محمد بن عبد العزیز البغوی ثنا علی بن الجعد انبا ابن ابی ذئب عن یزید بن خصیفة عن السائب بن یزید قال کانوا یقومون علی عهد عمر بن الخطاب رضی الله عنه فی شهر رمضان بعشرین رکعة (یعنی یزید بن خصیفہ سائب بن یزید سے ناقل ہیں، سائب فرماتے ہیں کہ عہد فاروقی میں اُن کے زمانہ کے لوگ رمضان میں بیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے (۵۳)

اس اثر کی سند کو امام نووی، امام عراقی اور سیوطی وغیرہ نے صحیح قرار دیا ہے (۵۴)

---

(۵۳) الوی صاحب فرماتے ہیں کہ یہاں کانوا یقرأون بالمئین الخ کو حذف کر دیا گیا اس لئے کہ احناف اس کیفیت پر عامل نہیں ہیں اور مولانا مئوی اہلحدیث پر اعتراض کر چکے ہیں کہ گیارہ رکعت کے ادا کرنے کی جو کیفیت حدیث میں مذکور ہے اسپر وہ عمل نہیں کرتے، یہاں احناف پر بھی وہی اعتراض پڑتا تھا اور اسکا کوئی جواب نہیں تھا، اس لئے اس ٹکڑے ہی کو حذف کر دیا۔ (دیکھو حاشیہ صـ ۱۶۸ و ۱۶۹)

مگر الوی صاحب نے اپنی اس بات کی خود ہی تکذیب کر دی ہے اور مان لیا ہے کہ صاحب کمات نے صـ ۲ اور صـ ۵۳ میں دو جگہ اس ٹکڑے کا ذکر کیا ہے (دیکھو حاشیہ صـ ۱۶۹) اور اس حاشیہ میں الوی صاحب کو صرف اعتراض رہ گیا ہے کہ الزام کا جواب نہیں دیا مگر یہ اعتراض کوئی چیز نہیں، اس الزام کے جواب کی کوئی ضرورت ہے جبتک کہ الوی صاحب یہ اعتراف نہ کریں کہ دونوں الزاموں کی حیثیت ایک ہے کیا آپ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کی اقتداء و عدم اقتداء اور عہد عثمانی کے مسلمانوں کے فعل کی اقتداء و عدم اقتداء دونوں کا حکم یکساں اور دونوں کی حیثیت ایک ہے پہلے اسکو واضح طور پر بتائیے، اسکے بعد ہمسے جواب لیں۔

(۵۴) الوی صاحب نے اس کا بھی کوئی جواب نہیں دیا کہ جب ابن فنجویہ کی ثقاہت

(دیکھو تحفۃ الاخیار ص۱۹۲ ارشاد الساری ص۔ وتحفۃ الاحوذی ص۷۵ ومصابیح ص۴۲)

اس روایت میں یزید کے شاگرد ابن ابی ذئب ہیں اور یہی بات یزید سے ان کے دوسرے شاگرد محمد بن جعفر نے بھی نقل کی ہے اور وہ روایت بیہقی کی دوسری کتاب معرفۃ السنن والآثار میں ہے اسکی سند کو علامہ سبکی نے شرح منہاج اور علی قاری نے شرح موطا میں صحیح قرار دیا ہے (دیکھو تحفۃ الاحوذی ص۷۵) دیکھئے یزید کے دونوں شاگرد متفق اللفظ ہوکر یزید سے اور یزید حضرت سائب سے روایت کرتے ہیں کہ لوگ عہد فاروقی میں بیس پڑھتے تھے، برخلاف محمد بن یوسف کے کہ اُن کے پانچ شاگرد، سائب کا بیان پانچ طرح نقل کرتے ہیں، ایسی حالت میں اصول وانصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ یزید کی روایت پر اعتماد کیا جاتا اور اہل حدیث کے وجود سے قبل اسی پر اعتماد کیا گیا، مگر حضرات اہل حدیث نے محمد بن یوسف کی مختلف فیہ اور مشکوک روایت پر اعتماد کرکے انصاف کا جنازہ نکال دیا۔

بیس والی روایت پر کلام اور اس کا جواب

اس پر مزید ستم یہ کیا کہ اُلٹے یزید کی روایت کو غایت بیباکی اور بے انصافی سے ناقابل استدلال قرار دیا۔ چنانچہ مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری نے سنن کبریٰ کی روایت پر تو یہ کلام کردیا کہ "اسکی اسناد میں پہلا راوی ابوعبداللہ بن فنجویہ دینوری ہے اور میں اس کے حال سے آگاہ نہیں ہوں جو اس اثر کی صحت کا مدعی ہو تو اس راوی کا ثقہ ہونا ثابت کرے، باقی نیموی نے جو یہ لکھا ہے کہ یہ ابوعبداللہ بڑے محدثوں میں ہیں، اُن کے جیسے محدثوں کی نسبت یہ سوال نہیں ہوسکتا کہ وہ کیسے ہیں، تو بڑے محدث ہونے سے ثقہ

ثابت نہیں ہے تو امام نووی، امام عراقی اور امام سیوطی نے انکی روایت کی تصحیح کیسے کردی،

Marfat.com

ثقہ ہونا لازم نہیں آتا"(۵۵) (تحفۃ الاحوذی ص۷۵، ج ۲)۔

مجھے مولانا کی اس غفلت اور جرأت دونوں پر سخت تعجب ہے، مولانا اگر ابن فنجویہ جیسے مشہور حافظ حدیث سے ناواقف تھے اور ان کے حالات سے ان کو قطعاً بے خبری تھی جیسا کہ انھوں نے خود اقرار کیا ہے تو کیا وہ اس بات سے بھی بے خبر تھے کہ جو لوگ علمی حلقہ میں معلوم و متعارف ہوں

---

(۵۵) اس پر پہلے الموی صاحب نے یہ اعتراض کیا کہ صاحب کمات نے مبارکپوری صاحب کے الفاظ مجرد کو نہ میں سے مجرد کا ترجمہ چھوڑ دیا، اس لئے کہ اس تصرف کے بغیر اعتراضات کی گنجائش نہیں تھی لیکن الموی صاحب واضح نہیں کر سکے کہ کیوں گنجائش نہیں تھی،

اس کے بعد بہت دھوم دھام سے اپنے اُستاد کی حمایت میں لکھا ہے کہ "کوئی اہل علم اس بات میں شک نہیں کر سکتا کہ محض بڑا محدث یا فقیہ یا بڑا عالم ہونا اسکی عدالت و ثقاہت کو مستلزم نہیں ہے"۔ (مختصراً ص۱۶۹)

پھر چار راویوں کے نام اور ان کے مختصر تراجم لکھ کر یہ ثابت کیا ہے کہ یہ لوگ بڑے عالم یا فقیہ یا حافظ تھے مگر ضعیف یا ناقابل وثوق بھی تھے (ملاحظہ ہو ص۱۶۹ تا ص۱۷۱) مگر ہم الموی صاحب سے کہیں گے کہ ؎ سخن شناس نۂ دلبرا خطا ایں جاست،

مولانا! آپ نے جن لوگوں کے نام لئے ہیں وہ بڑے عالم ہونے کے باوجود ضعیف یا ناقابل وثوق اس لئے ہیں کہ ناقدین رجال نے ان کو بڑا عالم کہنے کے ساتھ ان کے ضعیف یا ناقابل وثوق ہونے کی بھی تصریح کی ہے، برخلاف ابن فنجویہ کے کہ ان کو محدث اور حافظ تو علمائے فن نے لکھا ہے مگر ضعیف یا ناقابل وثوق کسی ناقد رجال یا محقق نے نہیں لکھا ہے۔ لہٰذا مولانا مبارکپوری نے علامہ نیموی کی جو گرفت کی ہے، وہ بالکل ناحق اور غیر صواب ہے، اور آپ نے اپنے استاد کی جو حمایت کی ہے وہ بھی قطعاً بے محل ہے،

Marfat.com

اہل علم کی مجلسوں میں انھوں نے طلب علم واستفادہ کیا ہو اور اس کے بعد لوگ عام طور پر ان سے استفادہ اور اخذ روایت کرتے ہوں، اور لوگوں میں ان کی عدالت و ثقاہت شہرت عام رکھتی ہو، ایسے حضرات کی نسبت یہ سوال جائز نہیں ہے کہ وہ ثقہ بھی ہیں یا نہیں، بلکہ ان کی ثقاہت وعدالت کی شہرت یا دوسرے لفظوں میں اہل علم کے درمیان ان کی مقبولیت ان کے ثقہ ہونے کی ایسی دستاویز ہے، جس کے مقابلہ میں ایک یا دو ماہروں کی یہ شہادت کہ وہ ثقہ ہیں کوئی قیمت نہیں رکھتی۔ اصول حدیث کا یہ ایسا مشہور مسئلہ ہے کہ کسی طرح یقین نہیں آتا کہ مولانا اس سے بے خبر ہوں گے۔

فان کنت لاتدری فتلك مصیبة
وان کنت تدری فالمصیبة اعظم

سنئے! اصول حدیث کی مشہور کتاب مقدمہ ابن الصلاح میں ہے عدالة الراوی تارة تثبت بتنصیص المعدلین علی عدالته وتارة تثبت بالاستفاضة فمن اشتهرت عدالته بین اهل النقل اونحوهم من اهل العلم وشاع الثناء علیه بالثقة والامانة استغنی فیه بذلك عن بینة شاهدة بعدالته تنصیصا هذا هو الصحیح فی مذهب الشافعی وعلیه الاعتماد فی فن اصول الفقه وممن ذکر ذلك من اهل الحدیث ابوبکر الخطیب الحافظ (ص ۔۔۔ ۴۰)

اور حافظ ابوبکر خطیب بغدادی نے کفایہ میں ایک مستقل باب اس کیلئے قائم کیا ہے جس کا عنوان ہے باب فی المحدث المشهور بالعدالة والامانة لایحتاج الی تزکیة المعدل میں اس باب کے جستہ جستہ فقرے

اسی کے ساتھ الموی صاحب کو یہ بھی بتادوں کہ آپ کے نزدیک تو ایک شخص محدث اور حافظ یا بڑا عالم ہونے کے باوجود ہر چند کہ اس پر کسی نے جرح نہ کی ہو قابل وثوق

نقل کرتا ہوں لکھتے ہیں انما یسأل عن عدالة من کان فی عداد المجهولین او اشکل امره علی الطالبین (سوال اسکی عدالت سے ہوگا جو مجہولوں کے شمار میں ہو یا اس کا معاملہ پیچیدہ ہو) اور فرماتے ہیں الشاهد والمخبر انما یحتاجان الی التزکیة متی لم یکونا مشهورین العدالة والرضا وکان امرهما مشکلا ملتبسا مجهولا فیه العدد الذو غیرها (یعنی گواہ اور راوی صفائی کے محتاج اس وقت ہیں جب کہ انکی عدالت اور پسندیدگی عام نہ ہو بلکہ ان کا معاملہ پیچیدہ اور مشتبہ ہو اور ان کے حق میں عدالت وغیر عدالت دونوں تجویز کی جاتی ہو) آگے فرماتے والدلیل علی ذلك ان العلم بظهور سترهما واشتهار عدالتهما اقوی فی النفوس من تعدیل واحد واثنین یجوز علیهما الکذب والمحاباة فی تعدیله الخ یعنی اس کی دلیل یہ ہے کہ شاہد و راوی کی برائیوں پر عام طور سے پردہ پڑا رہنا اور اُن کی عدالت کا شہرت پانا، ایک یا دو شخصوں کی تعریف کرنے اور عادل کہنے سے کہیں زیادہ قوی اور دل میں موثر ہے کیونکہ ایک یا دو کی نسبت امکان ہے کہ غلط کہتے ہوں یا دو رعایت کی بناء پر

ثقہ نہیں ہوتا، مگر امام بخاری کے نزدیک تو ایک بڑا امام اور حافظ مجروح بھی ہو، اور وہ مناکیر کا راوی بھی ہو اور اس پر لوگوں نے کذب و وضع کا الزام بھی لگایا ہو تب بھی وہ اس قابل ہوسکتا ہے کہ صحیح بخاری کے رواۃ میں اس کو جگہ دی جائے اور اس کی روایت اصح الکتب میں مقرون اسی لائی جائے۔

اور آپ کے مزعومات کی بناء پر یہ تنہا امام بخاری ہی کی ذاتی رائے نہیں ہے بلکہ صحیح بخاری کی تلقی بالقبول نے تو اسکو اجماعی مسئلہ بنا دیا ہے۔ کیا الموی صاحب کو علم نہیں ہے کہ نعیم بن حماد جن کو انھوں نے اس مبحث میں چوتھے نمبر پر مثالاً پیش کیا ہے ان کی روایت صحیح بخاری میں موجود ہے۔

Marfat.com

تعریف کرتے ہوں (۵۶)۔
بلکہ حافظ ابو عمرو بن عبد البر نے تو اور توسیع کر کے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ کل حامل علم معروف العنایۃ بہ فھو عدل محمول فی امرہ ابدا علی العدالۃ حتی یتبین جرحہ (المقدمۃ ص۲) یعنی ہر صاحب علم

---

(۵۶) الوی صاحب نے رکعات تراویح کی عبارت نقل کئے بغیر ابن الصلاح اور خطیب کی عبارتوں کو بے محل اور امر زیر بحث سے قطعاً بے تعلق قرار دے کر فرمایا ہے کہ:۔

"ان لوگوں نے تو بالکل ایک دوسری بات کہی ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ جس راوی کی عدالت ثقاہت، امانت، شہرت عام رکھتی ہو، بکثرت اسکا چرچا اور شیوع ہو، جیسے امام مالک وشعبہ وغیرہ تو ایسے لوگوں کی عدالت و ثقاہت کا ثبوت اس بات کا محتاج نہیں ہے کہ کوئی خاص شخص نصاً و لفظاً ان کی توثیق کرے" (ص۱۷۱)

میری گزارش یہ ہے کہ الوی صاحب نے ابن الصلاح و خطیب کی عبارتوں کا جو حاصل اپنے الفاظ میں بتایا ہے اس کو پڑھ کر ایک بار آپ رکعات تراویح کی خط کشیدہ عبارت پھر پڑھئے اور انصاف سے بتائیے کہ اس میں اور اس میں کیا فرق ہے؟ اور یہ وہی بات ہے یا بالکل دوسری بات ہے؟

دیکھا آپ نے یہی وجہ تھی کہ الوی صاحب نے رکعات تراویح کی عبارت نقل نہیں کی، پھر چند سطروں کے بعد الوی صاحب فرماتے ہیں کہ:۔

"دیکھئے یہ حضرات یہ نہیں کہتے کہ جس کے محدث ہونے کی شہرت ہو جائے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ جس کی عدالت، ثقاہت اور امانت کی عام شہرت ہو (الی) پھر ان عبارتوں کو آپ کی مدعا سے کیا تعلق ہے (ص۱۷۱)

مگر الوی صاحب اگر رکعات تراویح کے یہ الفاظ "لوگوں میں انکی عدالت و ثقاہت شہرت عام رکھتی ہو" ایسے حضرات کی نسبت یہ سوال جائز نہیں ہے کہ وہ ثقہ بھی ہیں یا

Marfat.com

جس کا اشتغال علم کے ساتھ معروف ہو عادل ہے اور ہمیشہ عادل قرار دیا جائے گا جب تک اس پر جرح ثابت نہ ہو (۵۷)

نہیں" الخ (ص ۴۲) نقل کر دیتے تو آفتاب کی طرح روشن ہو جاتا کہ ان حضرات کی عبارتوں کو صاحب رکعات کے مدعا سے تعلق ہے یا نہیں، اب بتلایئے کہ عوام کی ناواقفیت سے المعی صاحب فائدہ اٹھا رہے ہیں یا کوئی دوسرا؟ اور اس موقع پر ان کی دیانت کا سوال پیدا ہوتا ہے یا کسی دوسرے کی؟

(۵۷) المعی صاحب فرماتے ہیں کہ :-

" ابن عبدالبر کا کلام نقل کرنے میں خیانت کی گئی ہے، اس کے آخر کا وہ حصہ جس میں ابن الصلاح نے ابن عبدالبر کی تردید کی ہے اسکو نقل نہیں کیا گیا" (ص ۱۶۲)

سبحان اللہ کیا قابلیت ہے! کوئی ان شیخ الحدیث سے پوچھے کہ "اس کے" کا اشارہ کس طرف ہے؟ اگر ابن عبدالبر کے کلام کی طرف ہے اور ظاہر ہے کہ اسی طرف ہو ہی سکتا ہے تو کیا ابن عبدالبر ہی کے کلام کا آخر حصہ خود ان کی اس تردید پر مشتمل ہے جو ابن الصباح نے کی ہے؟ اور کیا ابن الصلاح ابن عبدالبر سے متقدم یا معاصر ہیں کہ ان کی تردید کا ذکر ابن عبدالبر کے کلام میں ہے؟

اور اگر "اس کے" کا اشارہ مقدمہ ابن الصلاح کی طرف ہے تو اولاً آپ کے الفاظ اس کا ساتھ نہیں دیتے، ثانیاً آپ کا یہ الزام جھوٹا ہو گیا کہ ابن عبدالبر کے کلام کے نقل میں خیانت کی گئی ہے، یہ کہیئے کہ ابن عبدالبر کا کلام تو پورا نقل کیا گیا ہاں ابن الصلاح نے اس کا جو رد کیا ہے اس کو نقل نہیں کیا گیا۔

اور اب سنئے کہ اس کو نقل کرنا فضول تھا، اس لئے کہ صاحب رکعات کو صرف یہ دکھانا تھا کہ ابن عبدالبر کا مسلک یہ ہے اور ابن الصلاح کے رد سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ابن عبدالبر کا مسلک نہیں تھا۔

باقی رہا اس کا مقبول و نامقبول ہونا تو اس کو تو صاحب رکعات نے خود ہی اپنے

بہرحال اتنا نہیں تو اس قدر ماننے سے تو کسی محدث کو چارہ کار نہیں ہے جتنا ابن الصلاح اور خطیب نے لکھا ہے۔

جب یہ ثابت ہو چکا تو اب سُنئے کہ ابن فنجویہ کی علمی شہرت اور محدثین میں ان کی مقبولیت کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت چاہیئے کہ وہ بھی سنن نسائی کے اس نسخہ کے جو ہندوستان میں متداول ہے۔ ایک راوی ہیں جنھوں نے ابن السنی سے اس کو سُنا ہے(۵۸)، (شبہ ذہبی)

ان الفاظ میں ظاہر کر دیا ہے کہ :۔

"بہرحال اتنا نہیں تو اس قدر ماننے سے تو کسی محدث کو چارہ کار نہیں ہے جتنا ابن الصلاح اور خطیب نے لکھا ہے" صـ ۴۳ و ۴۴

دیکھئے الموی صاحب کی دیانت، کیا وہ رکعات تراویح کی عبارت نقل کرنے کے بعد یہ الزام دے سکتے تھے؟ اسی لئے انھوں نے عبارت نقل کرنے سے گریز کیا ہے۔

(۵۸) الموی صاحب فرماتے ہیں کہ :۔

"ابن فنجویہ کی علم شہرت اور محدثین میں ان کی غیر مقبولیت کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت چاہیئے کہ سبکی نے طبقات ۹۶/۲ میں ابن السنی کا ترجمہ تفصیل سے پیش کیا ہے، ان کے اساتذہ اور تلامذہ دونوں کے ناموں کی فہرست پیش کی ہے، لیکن ابن فنجویہ کا نام کہیں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتا (الی قولہ) اگر واقعی وہ علمی شہرت اور محدثین میں مقبولیت کے حامل ہوتے تو علامہ سبکی ان کو کبھی نظر انداز نہ کرتے" (صـ ۱۷۲)

ہماری گزارش یہ ہے کہ اولاً تو سبکی نے صرف آٹھ سطروں میں ابن السنی کا ترجمہ پیش کیا ہے، اس کو یہ کہنا کہ تفصیل سے پیش کیا ہے، خلاف واقعہ ہے، دوسرے الموی صاحب کے اس قاعدہ سے لازم آتا ہے کہ سبکی نے ابن السنی کے جن جن اساتذہ و تلامذہ کا نام نہیں لیا ہے وہ سب ان کی نظر میں علمی شہرت اور محدثین میں مقبولیت کے حامل نہیں ہیں، مثلاً ان کے

اور ذہبی نے ۴۱۴ھ میں مرنے والے مشاہیر کے ضمن میں ان کا ذکر کیا کیا ہے، والمحدث ابوعبداللہ الحسین بن محمد بن الحسین بن عبداللہ بن فنجویہ الثقفی الدینوری بنیسابور (م ۴۱۴ھ ج ۳)

اساتذہ میں باغندی اور منجنیقی ہیں حالانکہ یہ ظاہر البطلان ہے اور ایسا کہنا سبکی پر افترا اور ان کی توہین ہے۔

تیسرے الوی صاحب کی اس دلیل سے بلا اشتباہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی عالم کے اساتذہ یا تلامذہ کے سلسلہ میں سے کسی کا نام سبکی لکھ دیں تو وہ انکی نظر میں علمی شہرت اور محدثین میں مقبولیت کا حامل ہوتا ہے پھر جب اتنی سی بات سے سبکی کی نگاہ میں کسی شخص کی علمی شہرت اور مقبولیت ثابت ہو جاتی ہے تو جس کا مستقل تذکرہ انھوں نے لکھا ہو اور تذکرہ بھی چالیس سطروں میں لکھا ہو، اور اس کے اُستادوں کا نام بنام ذکر کیا ہو اور اس کے دس شاگردوں کے نام لکھنے کے بعد لکھا ہو کہ وخلق یطول ذکرھم (اور ایک خلقت ان سے حدیث روایت کرتی ہے جس کا ذکر طویل ہوگا) اور جس کی نسبت سبکی نے یہ بھی ظاہر کیا ہو کہ اس کا ذکر حاکم نے اپنی تاریخ میں اور عبدالغافر فارسی اور ابو عاصم نے اور ذہبی نے بھی کیا ہے، ایسا شخص سبکی کی نگاہ میں کتنی بڑی علمی شہرت اور محدثین میں مقبولیت کا حامل ہوگا، ناظرین کو معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ شخص ابو طاہر زیادی ہیں جن کا ذکر آگے آئے گا۔

اب الوی صاحب کی دیانت ملاحظہ کیجئے کہ ابن السنی کے شاگردوں میں تو سبکی نے ابن فنجویہ کا نام نہیں لیا تو کس زور سے لکھا کہ:۔

"اگر وہ واقعی علمی شہرت اور محدثین میں مقبولیت کے حامل ہوتے تو علامہ سبکی ان کو کبھی نظر انداز نہ کرتے" (ص ۱۷۲)

مگر جب ابو طاہر کی باری آئی اور سبکی نے ان کی نسبت اتنا سب لکھا تو الوی صاحب اپنی یہ دلیل بھول گئے اور زبان گنگ ہو گئی، یہ توفیق نہ ہوئی کہ حق کا اعتراف کریں اور کہیں کہ ابو طاہر کو واقعی بڑی علمی شہرت اور محدثین میں مقبولیت حاصل تھی۔

چوتھے الوی صاحب کی اس دلیل سے ثابت ہوتا ہے کہ ابو عثمان بصری واقعی بڑی علمی شہرت

Marfat.com

اور ابن الاثیر جزری نے لکھا ہے، عرف بہا ابو عبد اللہ الحسین بن محمد بن الحسین بن فنجویۃ الفنجوبی الدینوری الحافظ روی عن ابی الفتح محمد بن الحسین الازدی الموصلی و ابی بکر بن مالک القطیعی وغیرھما روی عنہ ابو اسحٰق الثعلبی فاکثر

اور محدثین میں مقبولیت کے حامل تھے، اس لئے کہ سبکی نے ابو طاہر زیادی کے اساتذہ میں ان کے نام کی بھی تصریح کی ہے مگر افسوس ہے کہ المعلمی صاحب (ص ۱۸۲) میں اپنی یہ دلیل بھول گئے اور ابو عثمان کے باب میں اعتراف نہیں کیا کہ وہ علمی شہرت اور محدثین میں مقبولیت کے حامل تھے، بلکہ استاذ کی ناجائز حمایت میں یہ لکھ دیا کہ گویا وہ مجہول تھے فیالدیانۃ ویاللامانۃ۔

ان گزارشوں کے بعد اب سنئے کہ ابن فنجویہ کی علمی شہرت اور محدثین میں ان کی مقبولیت کے ثبوت میں لکھا گیا تھا کہ:۔

(۱) وہ بواسطہ ابن السنی سنن نسائی کے راوی ہیں۔

(۲) ذہبی نے محدث کے وصف کے ساتھ ان کا نام لیا ہے اور سال وفات بتایا ہے۔

(۳) ابن اثیر نے حافظ کے وصف کے ساتھ ان کا ذکر کیا ہے اور ابو الفتح ازدی اور ابو بکر قطیعی کا شاگرد اور ثعلبی کا استاد بتایا ہے۔

(۴) امام بیہقی نے سنن میں ان سے بکثرت روایت کی ہے

(۵) سمعانی نے برہان دینوری کے شاگردوں میں ان کا نام لیا ہے

ان پانچ باتوں میں سے صرف پہلی ہی بات ابن فنجویہ کے بڑے محدث ہونے اور ان کی علمی شہرت و مقبولیت کی کافی دلیل تھی، صحاح کی کسی کتاب پر وثوق و اعتماد اور اس کے مؤلف کی طرف اسکی نسبت کے ثبوت کا مدار جن راویوں پر ہو ان کو مجہول یا غیر مشہور و غیر مقبول قرار دینا بڑی جرأت ہے۔

اور آخری بات خود المعلمی صاحب کے اصول پر ابن فنجویہ کی علمی شہرت اور محدثین میں

Marfat.com

فی تفسیرہ ویذکر کثیرا فیقول اخبرنا الفنجوني، یعنی (۵۹)

مقبولیت کی دلیل ہے، اس لئے کہ سبکی سے بھی بڑے محدث سمعانی، برہان دینوری کے شاگردوں میں ابن فنجویہ کو نظر انداز نہیں کر سکے، مگر الوی صاحب کی دیانت ملاحظہ کیجئے کہ ان پانچ باتوں سے مجموعی طور پر بھی ان کے نزدیک ابن فنجویہ کی علمی شہرت اور محدثین کے حلقہ میں ان کی مقبولیت ثابت نہیں ہوئی، یہ اپنے استاد کی ناجائز حمایت نہیں تو کیا ہے؟

خیر اب میں اہل انصاف سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ اب تک کی معلومات کی بنا پر ابن فنجویہ کا ذکر ذہبی نے اپنی دو کتابوں مشتبہ النسبہ اور تذکرۃ الحفاظ میں کیا ہے ابن الآبار نے تلاب میں ان کا ذکر کیا ہے، سمعانی نے انساب میں نام لیا ہے، اور حافظ ابن حجر نے تبصیر المنتبہ میں ان کا یوں ذکر کیا ہے الحسین بن محمد بن الحسین بن عبد بن فنجویہ الدینوری روی المسند عن ابن السنی، وابنہ ابوبکر محمد روی عن ابیہ وعاش تسعین عاما وابنہ الآخر سفیان عن ابیہ (یتصیر المنتبہ قلمی)

کیا ان چاروں کتابوں میں جن کا تعلق فن رجال سے ہے، ابن فنجویہ کا ذکر ملنے کے بعد بھی ان کی علمی شہرت میں کوئی شک باقی رہ جاتا ہے اور کیا اس قوی حجت کے مقابلہ میں صرف یہ بہانہ کہ سبکی نے (ابن السنی کے شاگردوں میں ابن فنجویہ کا نام نہیں) کچھ کام دے سکتا ہے؟ درانحالیکہ مولانا مبارکپوری تصریح فرماتے ہیں کہ عدم نقل عدم کو مستلزم نہیں ہے (تحقیق الکلام ص ۳/۲) اور امام بخاری تو ساکت درکنار نافی کے مقابلہ میں مثبت کو ترجیح دیتے ہیں، جیسا کہ صحیح بخاری پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں۔

(۵۹) الوی صاحب نے ذہبی کے حوالہ پر لکھا ہے کہ:۔

"لیجئے صرف محدث لکھا ہے نہ محدث شہیر نہ کبیر نہ من کبار المحدثین ..... تو کیا اتنی سی بات سے ثقاہت یا ثقاہت کی شہرت کا ثبوت ہو جائیگا"

Marfat.com

اس نسبت فنجوبی کے ساتھ حافظ ابو عبداللہ حسین الخ مشہور و معروف ہیں، وہ ابوالفتح ازدی اور ابوبکر قطیعی سے حدیثیں روایت کرتے ہیں اور ان سے ابو اسحٰق ثعلبی نے اپنی تفسیر میں بکثرت روایت کی ہے، اور وہ اُن کا ذکر بہت کرتا ہے اور یوں کہتا ہے، ہم کو فنجوبی نے خبر دی۔

اور ابن الاثیر کے حوالہ پر یہ ریمارک کیا ہے کہ:۔

"اولاً تو ایسی بے حوالہ بات قابل التفات ہی نہیں ہے، ثانیاً محض حافظ کہنے سے ان کی توثیق لازم نہیں آتی (ص ۱۷۳)

میں کہتا ہوں کہ اگر ابن فنجویہ محدث شہیر و کبیر نہ ہوتے تو ان کی کیا خصوصیت تھی کہ ذہبی ان کو تو ذکر کرتے اور دوسرے بہت سے اس سال میں مرنے والوں کو نظر انداز کر دیتے کیا آپ اپنی دلیل بھی بھول گئے؟

اب رہا آپ کا یہ کہنا کہ حافظ کہنے سے توثیق لازم نہیں آتی، اور اس کی مثال میں نعیم بن حماد کا نام لینا تو گزارش ہے کہ نعیم بن حماد کو حافظ کہنے سے تو ان کی توثیق اس لئے لازم نہیں آئی کہ ذہبی نے حافظ کہنے کے ساتھ ان پر جرح بھی کر دی ہے مگر ابن فنجویہ کو محدث یا حافظ کہہ کر کس نے جرح کی ہے؟

باقی رہا آپ کا اس کو بے حوالہ بات کہہ کر ناقابل التفات قرار دینا تو اس سے آپ کے بسیط علم پر روشنی پڑتی ہے، جب آپ کی وسعت مطالعہ کا یہی حال تھا تو جواب لکھنے کیا بیٹھ گئے، اور اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ آپ کی جماعت میں کوئی دوسرا بھی آپ کو حوالہ نہ بتا سکا،

لطیفہ:۔ رکعات تراویح ص ۴۲ پر پریس کے کاتب نے ذہبی کی عبارت کے ایک لفظ بنیسابور کو غلطی سے نیشاپوری لکھ دیا ہے، الوی صاحب نے حاشیہ میں اظہار قابلیت کے لئے اسکی تشہیر بھی ضروری سمجھی ہے، مگر اللہ کی شان ہے کہ اسی جگہ آپنے حاشیہ میں کذا فی ھامش التذکرۃ للحفاظ الذہبی لکھا ہے، اب آپ سے پوچھئے کہ

Marfat.com

اور سمعانی نے برہان دینوری کے شاگردوں میں ان کا نام لیا ہے اور امام بیہقی نے سنن میں ان سے بکثرت روایت کی ہے (۶۰)

کیا ان تفصلات کے بعد بھی کسی میں جرأت ہے، جو یہ کہہ سکے کہ بڑا محدث ہونے سے ثقہ ہونا لازم نہیں آتا (۶۱)

یہ للحفاظ الذہبی کیا بلا ہے؟ یہ بھی غلط ہے یا نہیں؟

اور اس سے بھی بڑھ کر آپ کی قابلیت کا شاہکار فنجویہ کا ضبط ہامش تذکرہ سے نقل کرنا ہے جس کے معتمد ہونے کا کوئی ثبوت نہیں۔ قابل اعتماد اہل فن تو بقسم الیم لکھتے المعی صاحب پوچھیں تو ہم حوالہ بتائیں۔

(۶۰) اس پر المعی صاحب نے جو خامہ فرسائی کی ہے وہ ان کی خوش فہمی کی بین دلیل کوئی ان سے پوچھے کہ کیا سمعانی اور بیہقی کے رویہ سے طلب علم و تحدیث و روایت ساتھ علمی حلقوں میں ابن فنجویہ کا مشہور ہونا ثابت نہیں ہوتا؟ اگر ہوتا ہے تو صاحب کعا یہی مقصود ہے، اور اگر نہیں ہوتا تو کیوں؟ اصل بحث سے گریز کر کے آپ دوسری بات کیوں کرتے ہیں؟

(۶۱) المعی صاحب فرماتے ہیں کہ:-

"کیا ان بے جان تفصیلات کی حقیقت معلوم ہو جانے کے بعد بھی کسی میں جرأت ہے جو یہ کہہ سکے کہ ان سے ابن فنجویہ کا بڑا محدث ہونا یا ان کی ثقاہت یا ثقاہت کی عام شہرت کا ثبوت ہو گیا" (ص ۱۷۴)

میں کہتا ہوں اس کا فیصلہ تو اہل انصاف پر چھوڑیے کہ یہ تفصیلات بے جان ہیں جان دار، ہاں آپ یہ بتائیے کہ سنن نسائی کا راوی ہونے سے امام بیہقی کا استاد ہونے سے امر حافظ ہونے سے بھی اگر کوئی شخص بڑا محدث نہیں ہو سکتا تو بڑے محدث ہونے کا معیا

اب رہا بڑے محدث ہونے اور محدثین میں علمی شہرت حاصل ہونے سے ثقل ثبوت تو اس کے لئے رکعات تراویح کا ص ۱۴۲ و ص ۱۴۳ سمجھ کر پڑھئے، اور اگر سمجھ میں

Marfat.com

اس کے بعد میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ابن فنجویہ کی نسبت لکھنے کو تو مولانا یہ لکھ گئے، لیکن اگر اُن کے اصول پر عمل شروع کر دیا جائے تو صحیحین کی بہت سی حدیثوں سے ہاتھ دھونا پڑے گا، اور نہ معلوم کتنی ایسی روایات نکل آئیں گی جن کو ناقابل استدلال کہنا پڑے گا، شاید مولانا اس سے بھی آگاہ نہیں تھے کہ مالک بن الخیر زیادی پر ابن القطان نے یہ کلام کر دیا ہے کہ

تو ذرا انتظار کیجئے، ابو طاہر زیادی پر آپ کی بحث کے جواب میں ہم آپ کو سمجھا دیں گے

اس کے بعد الموی صاحب نے اپنے اُستاد کی حمایت بیجا میں انکی عیب پوشی کے لئے وہ حرکت کی ہے جس پر دیانت نے اپنا سر پیٹ لیا ہے۔

واقف کار ناظرین جانتے ہیں کہ مولانا مبارک پوری نے ترسچانی کے ساتھ مطلقاً اپنی ناواقفیت کا اقرار کیا اور صاف صاف لم اقف علی ترجمتہ (میں ابن فنجویہ کے ترجمہ (تذکرہ) سے بالکل واقف نہیں ہوا) لکھا ہے مگر الموی صاحب نے ان کے قول کو پہلے تو یوں بنایا لم اقف علی ترجمتہ ای علی ترجمتہ الستی تدل علی کونہ ثقۃ قابلا للاحتجاج، یعنی اپنی تاویل ان کے قول کے ساتھ جوڑ دی، پھر جب ترجمہ کیا تو اپنی تاویل ان کے قول میں اس طرح سمو دی کہ غیر عربی داں یہ سمجھے کہ یہ پوری بات مولانا مبارکپوری نے ہی کہی ہے، الموی صاحب کا ترجمہ ملاحظہ ہو

"یعنی میں ان کے ایسے حالات پر مطلع نہیں ہوا جن سے ان کا ثقہ اور قابل احتجاج ہونا ثابت ہو"

الموی صاحب کے نزدیک صداقت و امانت کی کوئی قیمت ہوتی تو وہ مولانا کی بات الگ اور اپنی تاویل الگ رکھتے ہوئے یوں کہتے کہ مولانا نے تو یہی لکھا ہے کہ میں ابن فنجویہ کے حالات سے مطلقاً باخبر نہیں، مگر ان کا مطلب یہ ہے کہ ایسے حالات سے باخبر نہیں ہوں جن سے ان کا ثقہ ہونا ثابت ہوتا ہو، اور اس کا فیصلہ ناظرین پر چھوڑ دیتے کہ اس تاویل میں کوئی جان ہے یا نہیں؟ ——— باقی رہا الموی صاحب کا یہ کہنا کہ:-

اس کی عدالت ثابت نہیں یعنی صراحۃً اس کو کسی نے ثقہ نہیں کہا ہے، تو حافظ ذہبی (وہی حافظ ذہبی جو نقد رجال میں اہل استقراء تام سے ہیں) نے ابن القطان کا یوں رد کیا کہ فی رواۃ الصحیحین عدد کثیر ما علمنا ان احدا نص علی توثیقھم والجمھور علی ان من کان من المشائخ قد روی عنہ جماعۃ ولم یات بما ینکر علیہ ان حدیثہ صحیح (میزان ص۳ ج ۳) یعنی صحیحین کے راویوں میں ایک بڑی تعداد[1] ایسے راویوں کی ہے جن کو ہمارے علم میں کسی نے صراحۃً ثقہ نہیں کہا ہے، اور اور جمہور محدثین کا مذہب یہ ہے کہ مشائخ حدیث میں سے جس سے

"یہ منشا نہیں کہ یہ معمولی باتیں بھی ان کے علم میں نہ تھیں جو مولنا مئوی کے لئے سرمایۂ افتخار بنی ہوئی ہیں"۔

تو املوی صاحب چاہے جتنا فعل در آتش، ہوں مگر واقعہ یہی ہے کہ ابن فنجویہ کی نسبت جو معلومات مولانا مئوی نے فراہم کئے ہیں وہ بہت غیر معمولی اور مولانا کے لئے تو نہیں مگر ہمارے لئے سرمایۂ افتخار ہی ہیں، اور حقیقت واقعہ یہی ہے کہ مولانا مبارکپوری کو یہ بات معلوم نہیں تھیں، ورنہ وہ لم اقف علی ترجمتہ نہ کہتے بلکہ جس طرح ابو طاہر زیادی کی نسبت لم اقف علی من وثقہ (مجھے معلوم نہیں کہ ان کی کس نے توثیق کی ہے) کہا ہے اسی طرح ابن فنجویہ کی نسبت بھی لم اقف علی من وثقہ کہتے، پھر جس طرح ابو طاہر کی نسبت طبقات سبکی کی عبارت کا ایک ٹکڑا نقل کر کے انھوں نے لکھا ہے کہ اس سے ابو طاہر کا ثقہ ہونا ثابت نہیں ہوتا، اسی طرح ذہبی اور ابن الاثیر کا کلام نقل کر کے لکھتے کہ محدث اور حافظ لکھنے سے ابن فنجویہ کا ثقہ ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

---

[1] مثلاً اسید بن زید جن کی نسبت حافظ ابن حجر نے لکھا ہے لم ار لاحد فیہ فیہ توثیقا (یعنی میں نے ان کے حق میں کسی کی توثیق نہیں دیکھی) اسکے باوجود ان کی روایت صحیح بخاری میں موجود ہے ۱۲ منہ

ایک جماعت روایت کرے، اور وہ ایسی بات بیان نہ کرے جو اس کے دوسرے ساتھیوں کے بیان کے خلاف اور منکر ہو تو اس کی حدیث صحیح ہے امام ذہبی نے اسی طرح کی بات ص ۲۶۰ (۶۲) میں بھی کہی ہے۔

مگر الموی صاحب یہ کڑوا گھونٹ کس طرح پی جائیں کہ مولانا مبارکپوری واقعی اس بات سے بے خبر تھے، یہ ہے الموی صاحب کی غیر مقلدی کی حقیقت! دوسروں سے تو یہ منوانا اور کہلوانا چاہتے ہیں کہ ائمہ مجتہدین کی نگاہوں سے بہت سی حدیثیں اوجھل رہ گئیں، یا ان سے لغزش ہوئی، مگر خود اتنا بھی ماننے کو تیار نہیں کہ مولانا مبارک پوری کی نگاہ سے بھی کچھ باتیں اوجھل رہ گئی ہیں، لیکن انشاء اللہ تعالیٰ ان کو ماننا ہی پڑے گا،

الموی صاحب ذرا غور سے سنیں، مولانا مبارک پوری نے ابکار المنن ص ۸۰ میں لکھا ہے فی اسنادہ ابن الجنید ورواہ عنہ ابو عمر القاضی شیخ الدارقطنی لم اقف علی اسمہما وحالہما (یعنی اسکی اسناد میں ابن الجنید ہے، اس سے دارقطنی کے شیخ ابو عمر قاضی نے روایت کیا ہے، میں ان دونوں کے نام اور حال سے واقف نہیں ہوا)

کہئے الموی صاحب! یہاں کیا تاویل کیجئے گا، کہہ دیجئے کہ نام تو مولانا کو معلوم تھا مگر ایسا نام معلوم نہیں تھا جس سے ان کا ثقہ ہونا ثابت ہوتا ہو، ——— اور اگر یہ کہنے کی گنجائش نہ ہو تو اقرار کیجئے کہ ہاں بیشک مولانا کو معلوم نہیں تھا، اور اسی کے ساتھ ہم سے یہ "خوشخبری" بھی سن لیجئے کہ ہم مولانا مئوی سے پوچھ چکے ہیں، ان کو ان دونوں کے نام اور حالات معلوم ہیں۔

(۶۲) الموی صاحب فرماتے ہیں کہ:۔

"آپ ابھی تک سمجھے ہی نہیں کہ ابن القطان نے کیا کہا اور محدث مبارکپوری نے کیا فرمایا ہے" الخ (ص ۱۷۵)

میں کہتا ہوں اور آپ ابھی تک یہ نہیں سمجھے کہ مولانا مئوی کیا فرما رہے ہیں، مولانا مئوی ابن القطان

Marfat.com

بہر حال ذہبی کے اس فیصلہ کی رو سے بھی ابن فنجویہ کی روایت صحیح ہے اس لئے کہ وہ مشائخ حدیث میں سے ہیں، ان سے ایک جماعت نے روایت کی ہے

کے کلام کو تو سند بناتے نہیں، اس لئے اس کے سمجھنے نہ سمجھنے کی کیا بحث ہے؟ وہ تو ذہبی کے اس قول سے سند لیتے ہیں کہ :-

صحیحین کے راویوں میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جن کو ہمارے علم میں کسی نے صراحۃً ثقہ نہیں کہا۔"

کہئے ذہبی کا یہ قول صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح ہے تو ایسے تمام راویوں پر وہی اعتراض وارد ہوگا جو ابن فنجویہ پر آپ کے استاد نے وارد کیا ہے، اس اعتراض کے جواب میں ذہبی نے یہ فرمایا ہے کہ "جمہور محدثین کا مذہب یہ ہے کہ مشائخ حدیث میں سے جس سے ایک جماعت روایت کرے اور وہ ایسی بات بیان کرے جو اس کے دوسرے ساتھیوں کے بیان کے خلاف اور منکر نہ ہو تو اسکی حدیث صحیح ہے"۔

ذہبی کے اس جواب سے ابن فنجویہ پر وارد کئے جانے والے اعتراض کا جواب بھی ہوگیا کہ وہ مشائخ حدیث میں سے ہیں، ان سے ایک جماعت نے روایت کی ہے اور ان کا بیان ان کے کسی ساتھی کے بیان کے خلاف نہیں ہے، لہذا ان کی حدیث بھی صحیح ہوئی،

بتائیے کہ اس استدلال کا ابن القطان کے کلام سے کیا تعلق ہے جو آپ اسکی شرح کرنے بیٹھ گئے، پھر شرح بھی جو فرمائی تو اللہ اللہ! ، اجی حضرت! ابن القطان کا جو کلام ذہبی نے مالک بن الخیر کے تذکرہ میں نقل کیا ہے وہ تصریح ذہبی یہ ہے کہ مالک کو کسی شخص نے بھی صراحۃً ثقہ نہیں کہا ہے اور حفص کے ترجمہ میں ابن القطان کی عادت ذہبی نے یہ بتائی ہے کہ وہ ہر اس راوی پر کلام کر دیتے ہیں جس کو اس کے کسی معاصر امام نے یا معاصر سے ناقل نے عادل یا اس کا ہم معنی نہ کہا ہو۔

یعنی ابن القطان جن راویوں پر کلام کرتے ہیں ان کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جن کو کسی نے ثقہ نہ کہا ہو، دوسری مد جن کو کسی نے ثقہ کہا ہو، مگر کہنے والا اس راوی کا معاصر

جن میں ابوبکر بیہقی اور ابواسحٰق ثعلبی شامل ہیں اور اُن کے کسی ساتھی کا بیان، اُن کے بیان کے خلاف منقول نہیں ہے، بلکہ یزید کے دوسرے

یا معاصر سے ناقل نہ ہو۔ اس دوسری قسم کی نسبت ذہبی نے کہا ہے کہ میں نے اس نوشت کے راویوں کو اپنی اس کتاب میں ذکر نہیں کیا (دیکھو ترجمہ حفص) مگر پہلی قسم کے راوی مالک بن الخیر کا انھوں نے ذکر کیا اور یہ نہیں کہا کہ میں نے اس قسم کے لوگوں کا بھی ذکر نہیں کیا ہے۔

اس کے بعد المری صاحب نے پوری دیدہ دلیری سے یہ لکھا کہ

"اس موقع پر مولانا مئوی نے ذہبی کا جو فیصلہ نقل کیا ہے اس کی رو سے بھی ابن فنجویہ کی روایت صحیح نہیں ہے، کیونکہ ابن الاثیر نے ان سے روایت لینے والوں میں صرف ثعلبی کا نام ذکر کیا ہے (لہٰذا ابن فنجویہ سے روایت کرنے والا ایک شخص ہوا، ایک جماعت نہیں ہوئی)" ص ۱۷۶

دیدہ دلیری دیکھی آپ نے؟ ابن الاثیر نے تو ایک ہی نام ذکر کیا ہے لیکن مولانا مئوی نے جو بیہقی کا دوسرا نام لیا ہے اور جس کو آپ ص ۱۷۴ میں نقل کر چکے ہیں وہ کیا ہوئے؟ — اور اب ہم نے تبصیر المنتبہ کے حوالہ سے بتایا کہ ابن فنجویہ سے روایت کرنے والے ان کے دو بیٹے ابوبکر و سفیان بھی ہیں، کہئے اب بھی ایک جماعت ان سے روایت کرنے والی ہوئی یا نہیں؟

المری صاحب کی دوسری دیدہ دلیری یہ لکھنا ہے کہ:۔

"ابوبکر بن مالک قطعی ابن فنجویہ کے شاگرد نہیں ہیں، جیسا کہ مولانا مئوی نے لکھا ہے، یہ تو ان کے اُستاد ہیں"۔

ذرا پوچھئے کہ مولانا مئوی نے ابوبکر بن مالک کو ابن فنجویہ کا شاگرد کہاں لکھا ہے، انھوں نے تو صراحۃً ترجمۂ عبارت ابن الاثیر کے ضمن میں یہ لکھا ہے کہ ابن فنجویہ ابوبکر بن مالک سے روایت کرتے ہیں (دیکھو رکھات ص ۴۴ طبع اول) باقی جہاں انھوں نے یہ لکھا ہے کہ

Marfat.com

شاگرد کی روایت سے اُن کی رُایت کی تائید ہوتی ہو تو ذہبی کے فیصلہ کی بنا پر ابن فنجویہ کی روایت کے صحیح ہونے میں کیا شبہ رہ جاتا ہے۔

" ان سے (ابن فنجویہ سے) ایک جماعت روایت کرتی ہے جن میں ابوبکر اور ابو اسحٰق ثعلبی شامل ہیں" (ص ۴۵)

وہاں صرف ابوبکر لکھا ہے "ابوبکر بن مالک قطعی" نہیں لکھا ہے، یہ املوی صاحب کا صریح افترا ہے"۔

املوی صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہاں ابوبکر سے مراد ابوبکر بیہقی ہیں جن کے روایت کرنے کا ذکر پہلے آچکا ہے اور صرف مراد ہی نہیں بلکہ رکعات کے مسودہ میں ابوبکر بیہقی ہی لکھا گیا تھا، مصحح کے سہو سے بیہقی کا لفظ رہ گیا۔

(فائدہ) اسی جگہ یہ بھی بتا دینا مناسب ہے کہ کاتب کی غلطی کی وجہ سے ابن الاثیر کی عبارت میں القطعی چھپ گیا ہے مگر ترجمہ میں قطیعی صحیح چھپا ہے، املوی صاحب کو اس پر تنبہ نہیں ہوا اور انھوں نے ابوبکر بن مالک قطعی تحریر فرمایا، میں اس کو کاتب کی غلطی مان سکتا ہوں مگر املوی صاحب کو بھی ماننا چاہیئے کہ رکعات کا کاپی نویس بھی بھول سکتا ہے۔ اس کے بعد املوی صاحب نے ذہبی کے فیصلہ کی دوسری شرط کو لیا ہے اور فرمایا ہے کہ:۔

"یہ روایت ان ثقات کے خلاف بھی ہے جنھوں نے حضرت عمرؓ کے متعلق گیارہ کا حکم دینا بیان کیا ہے"۔ (ص ۱۷۶)

اصول حدیث میں ایسی بے مثال مہارت پر قربان جایئے، مولانا اصول حدیث میں منکر کی تعریف ذرا کسی واقف فن سے سمجھ لیجیئے، اس کے بعد بولیئے، ذہبی نے ولم یات بما ینکر علیہ لکھا ہے اور یہ ابن فنجویہ کی روایت پر صادق ہے، اس لئے کہ ما ینکر علیہ وہ جب ہوتی جب کہ ابن السنی کے دوسرے ثقہ شاگردوں کا بیان اس روایت کے خلاف ہوتا، اگر ایسا نہیں ہے تو ابن فنجویہ پر اتی بما ینکر علیہ (وہ

پھر یہ بھی یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ابن الصلاح نے یہ تصریح کردی ہے کہ مشائخ حدیث کے حق میں جو شرطیں پہلے معتبر تھیں ان سب کا لحاظ

ایسی بات لائے جو ان پر قابل انکار ہے) کا الزام عائد نہیں ہوسکتا، کسی اور پر عائد ہو تو ہوا کرے۔ اس کو خوب سمجھ کر بولے گا۔

اس کے بعد المعلمی صاحب نے بڑی شوخی سے یہ ناعاقبت اندیشانہ بات لکھی ہے کہ

"ثعلبی اخبار و قصص کے بیان کرنے میں بہت غیر محتاط ہیں، اپنی تفسیر میں بہت سی موضوع روایتیں بھی ذکر کی ہیں، کیا اس سے ثعلبی کے استاد ابن فنجویہ پر کچھ روشنی نہیں پڑتی؟" (ص ۱۷۰)

مولانا توبہ کیجئے! اور اپنی یہ دلیل واپس لیجئے، میں اس کو برداشت نہیں کرسکتا کہ کوئی آپ جیسا جری آپ کی قابلیت کے نمونوں کو سامنے رکھ کر سوال کرنے لگے کہ اس سے المعلمی صاحب کے استاد پر کچھ روشنی نہیں پڑتی؟ یا یہ پوچھنے لگے کہ حاکم نے جو مستدرک میں درجہ کمزور رواہی بلکہ موضوع روایتیں ذکر کی ہیں تو اس سے ان کے اساتذہ ابوالعباس، اصم، دارقطنی، ابوبکر، سنجاد اور ابوعلی حافظ پر کوئی روشنی نہیں پڑتی۔

اسکے بعد المعلمی صاحب نے صحیحین کے رواۃ کی حمایت میں ذہبی کی یہ عبارت نقل کی ہے کہ "ماضعفهم احد ولاهم بمجاهيل یعنی ان کو کسی نے ضعیف نہیں کہا اور نہ وہ مجہول ہیں" (ص ۱۷۰)

مگر المعلمی صاحب نے یہاں دو مغالطے دئے ہیں:-

(۱) ایک یہ کہ ذہبی نے صحیحین کے سب راویوں کے بارے میں یہ نہیں کہا ہے بلکہ صرف ان کے بارے میں کہا ہے جن کی بقول المعلمی صاحب کسی معاصر یا معاصر سے ناقل نے توثیق نہیں کی ہے۔

(۲) دوسرے یہ کہ ذہبی نے ماضعفهم احد کے ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ وہ مستور ہیں ان دونوں باتوں پر المعلمی صاحب پردہ ڈالنا چاہتے تھے، اس لئے ذہبی کی پوری عبارت نقل نہیں کی۔

Marfat.com

پچھلے دور کے مشائخ میں کوئی نہیں کرتا، بلکہ اتنے پر اکتفار کی جاتی ہے کہ شیخ، مسلمان، عاقل بالغ ہو، کھلم کھلا فسق اور بے عقلی اس کا شیوہ نہ ہو،

ذہبی کی پوری عبارت ملاحظہ ہو قلت لم اذکر هذا النوع فی کتابی هذا فان ابن القطان یتکلم من کل لم یقل فیه امام عاصر ذلك الرجل او اخذ عمن عاصره ما یدل علی عدالته وهذا شئ کثیر فلی الصحیحین من هذا النمط خلق کثیر مستورون ما ضعفهم احد ولا هم بمجاهیل (ص۲۶) (یعنی میں نے اس نوع کے راویوں کا ذکر اپنی اس کتاب میں نہیں کیا، اس لئے کہ ابن القطان ہر اُس راوی پر کلام کر دیتے ہیں جس کے حق میں اس کے معاصر یا معاصر سے ناقل نے اسکی عدالت پر دلالت کرنے والی بات نہ کہی ہو اور یہ چیز بہت ہے۔ چنانچہ صحیحین میں اس طرح کی ایک خلقت بڑی تعداد میں موجود ہے وہ سب مستور ہیں، نہ ان کو کسی نے ضعیف کہا ہے اور نہ وہ مجہول ہیں) دیکھئے املوی صاحب نے ذہبی کی اس عبارت کے مفہوم کو کیا سے کیا کر دیا۔ اولاً ذہبی نے صحیحین کے کل راویوں کی نسبت یہ نہیں کہا ہے، ثانیاً انھوں نے تسلیم کیا ہے کہ صحیحین میں ایسے بکثرت راوی ہیں جن کی کسی معاصر یا ناقل از معاصر نے توثیق نہیں کی، ثالثاً انھوں نے اقرار کیا کہ وہ سب مستور ہیں، رابعاً انھوں نے ان تمام راویوں سے اس اعتراض کو صرف یہ کہہ کر دفع کیا کہ ہر چند وہ مستور ہیں مگر ان کی کسی نے تضعیف بھی تو نہیں کی ہے نہ وہ مجہول ہیں۔

اب میں پوچھتا ہوں کہ کیا بعینہٖ یہی جواب ابن فنجویہ کے حق میں صادق نہیں ہے، املوی صاحب کے آئندہ بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس کو نہیں مانتے اور دونوں میں یہ فرق کرتے ہیں کہ صحیحین کے راویوں کی عدالت پر جمہور امت کا اتفاق ہے (ص۱۷۸) اور ابن فنجویہ اس شرف سے محروم ہیں ــــ مگر املوی صاحب شاید اپنا یہ قول بھول گئے کہ اکثر کا قول نہ اجماع ہے نہ حجت (ص۲۹۰) نیز ان کو یہ بتانا چاہیئے کہ جمہور سے مراد

Marfat.com

جن نوشتوں کو اُس نے سُنا ہے وہ مشکوک نہ ہو اور وہ اُن کا ضابط ہو اور وہ نوشتہ اس کے شیخ کی اصل کے مطابق ہو اور ابن الصلاح نے لکھا ہے کہ

جمہور مجتہدین ہیں یا عوام، اگر عوام مراد ہیں تو خود الموی صاحب شاطبی کے حوالہ سے لکھ چکے ہیں کہ عوام کے اجماع کا کوئی اعتبار نہیں ہے اگرچہ وہ امامت کا دعویٰ کریں (ص ۳۰۷)

اور اگر جمہور مجتہدین مراد ہیں تو ان کے اتفاق کا دعویٰ الموی صاحب نے کس بنیاد پر کیا ہے؟ کیا ان سب کی تصریحات کا ان کو علم ہے؟ اگر علم ہے تو بخاری کے بعد سے جتنے مجتہدین گزرے ہیں (صرف چند حضرات کا نام لینا کافی نہ ہوگا) ہر ایک سے اس کا ثبوت پیش کریں کہ ان کے نزدیک صحیحین کے سب راوی جن سے احتجاجاً روایت کی گئی ہے عادل ہیں جیسا کہ الموی صاحب نے ص ۳۰۷ میں تراویح کی بیس رکعتوں پر اتفاق کے باب میں صاحب نعمۃ المطالبہ کیا ہے۔

اور اگر جمہور امت کے اتفاق کا دعویٰ اس بنیاد پر کیا گیا ہے کہ دو چار مجتہدوں کا تو قول موجود ہے اور باقی مجتہدوں کی مخالفت کا کوئی علم نہیں ہے تو یاد کیجئے کہ خود آپ ہی نے ص ۳۰۹ میں نقل کیا ہے کہ :-

"جس بات کے بارے میں کسی کی مخالفت معلوم ہو تو وہ اجماع نہیں ہے"

اور یہ بھی نقل کیا ہے کہ :-

"جس امر کے بارے میں اختلاف کا علم نہ ہو، اس کی نسبت یہ کہہ دینا بھوٹ ہے کہ میرے علم میں لوگوں نے اس پر اجماع کیا ہے (الی) کیونکہ ہوسکتا ہے کہ لوگوں نے اختلاف کیا ہو، (لیکن اس کو اس کا علم نہ ہو (ص ۳۰۹)

اس کے ساتھ الموی صاحب کو یہ بات بھی نظر انداز نہ کرنی چاہیئے کہ ابن حزم جن کے افادات بڑے طمطراق سے آپ نے ابماغ کے رد میں ص ۳۱۱ سے لیکر ص ۳۱۵ تک پیش فرمائے ہیں وہ بخاری و مسلم کی نہ تمام حدیثوں کو صحیح مانتے ہیں نہ ان کے تمام راویوں کو عادل

Marfat.com

ہم سے پہلے اس طرح کی بات امام بیہقی بھی لکھ چکے ہیں (ابن الصلاح ص۶) (۹۳)
نیز ابن الصلاح نے یہ بھی لکھا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کی

چنانچہ انھوں نے عمیر بن سعید کو مجہول قرار دے کر ان کی دو حدیثوں کی نسبت جن میں سے ایک بخاری میں ہے کلاھما کذب (دونوں جھوٹ ہیں) لکھا ہے) یہاں ہم کو ابن حزم کی موافقت منظور نہیں ہے بلکہ یہ دکھانا ہے کہ اگر صحیحین کی صحت اور ان کے رواۃ کی عدالت پر جمہور امت کا اتفاق ہوتا تو ابن حزم جمہور امت کے خلاف اس اقدام کی جرأت کیوں کرتے، اس سے معلوم ہوا کہ صحیحین کے راویوں کے عادل ہونے کی جو دلیل آپ نے پیش کی ہے وہ ابن حزم کے نزدیک صحیح نہیں

اسی طرح امام دار قطنی، ابو مسعود دمشقی اور ابو علی غسانی نے صحیحین کی متعدد حدیثوں پر کلام کیا ہے اور وہ کلام اتنا جاندار ہے کہ جن لوگوں کو بخاری و مسلم کی حمایت میں غلو ہے وہ بھی جب صحیحین کی صحت پر اجماع کا دعویٰ کرتے ہیں تو ان حدیثوں کا استثنار کرکے دعوے کرتے ہیں، چنانچہ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:۔

" وان هذه المواضع متنازع فی صحتها فلم یحصل لها من التلقی ما حصل لمعظم الکتاب وقد تعرض لذلك ابن الصلاح فی قوله الا مواضع انتقدها الدارقطنی وغیره (ص۲۰)

اور دار قطنی وغیرہ کے بعض اعتراضات تو ایسے اٹل ہیں کہ حافظ ابن حجر کو بھی یہ اعتراف کرنا پڑا ہے۔

وقوله فی شرح مسلم وقد اجیب عن ذلك او اکثره هو الصواب فان منها ما الجواب عنها غیر منتهض (ص۲۰)

یعنی نووی نے شرح مسلم میں جو کہا ہے کہ ان اعتراضات کا یا ان میں سے اکثر کا جواب دیا گیا ہے وہی صحیح ہے، اس لئے کہ بعض اعتراضات ایسے بھی ہیں جن کا جواب کھڑا نہیں ہوتا (یعنی بنتا نہیں)

Marfat.com

بہت سی مشہور کتابوں میں بھی بہتیرے رواۃ کے بارے میں جن کا زمانہ بہت پہلے گزرا ہے اور ان کا باطنی حال معلوم ہونا ناممکن سا ہو گیا ہے اسی پر

پس جب صحیحین کی بعض احادیث متکلم فیہ ہیں اور ان کی صحت پر دار قطنی وغیرہ کو اعتراض ہو تو لازم آیا کہ کلیتہً صحیحین کی صحت پر اتفاق نہیں ہے اور راویوں کی عدالت بھی اسی پر مبنی ہے، اس لئے جملہ راویوں کی عدالت پر بھی اتفاق نہیں ہے۔

نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ دار قطنی و ابو مسعود دمشقی و ابو علی کو یہ تسلیم نہیں ہے کہ صحیحین کی صحت پر جمہور امت کا اتفاق ہے، اگر تسلیم ہوتا تو جمہور کی مخالفت وہ کیوں کرتے یا یہ کہئے کہ ایسے مزعومہ اتفاق کی کوئی قیمت ان کے نزدیک نہیں تھی۔

اسی مقام پر الموی صاحب نے اس مثال میں بھی مغالطہ دینے کا دعوٰی کیا ہے جو رکعات ص۴۵ کے حاشیہ میں دی گئی ہے اور فرمایا ہے کہ

"بخاری نے دوسرے ثقہ راوی کے ساتھ ملا کر اسید بن زید سے روایت کی ہے، گویا صرف اسید کی روایت پر اعتماد نہیں کیا (ص۱۰۸)

پہلے تو الموی صاحب سے گزارش ہے کہ "گویا" کو چھوڑیئے صاف صاف بولئے کہ بخاری نے اسید پر کچھ بھی اعتماد کیا، اور اس کا نام لینے سے روایت کو کچھ بھی تقویت پہونچی یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس کا نام لینے سے کیا فائدہ؟

دوسرے یہاں یہ گفتگو نہیں ہے کہ دوسرے راوی کو ساتھ ملایا یا نہیں، بلکہ گفتگو یہ ہے کہ صحیحین میں بھی ایسے راوی ہیں جن کی توثیق کسی نے نہیں کی، انھیں میں اسید بن زید بھی ہے، اب بتائیے کہ وہ ضعیف و نامقبول ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو پہلے صاف صاف اقرار کیجئے۔ اس کے بعد جواب دیجئے،

مغالطہ تو آپ دے رہے ہیں کہ ایک طرف آپ یہ بھی مانتے ہیں کہ ابن حجر نے اسید کی نسبت لکھا ہے کہ میں نے ان کے حق میں کسی کی توثیق نہیں دیکھی، دوسری طرف ذہبی کا ادھورا کلام نقل کر کے عوام کو یہ بھی سمجھانا چاہا ہے کہ صحیحین کے راویوں کو

Marfat.com

عمل کیا گیا ہے کہ اگر ان سے دو شخصوں نے روایت کی ہے تو کوئی ان کے

کسی نے ضعیف نہیں کہا۔

ذہبی نے صحیحین و غیر صحیحین کے راویوں میں کوئی تفریق نہیں کی

بہر حال صحیحین کی صحت پر اور ان کے راویوں کی عدالت پر جمہور امت کا اتفاق ہو یا نہ ہو ذہبی نے جو قاعدہ بیان کیا ہے وہ صحیحین کے راویوں کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ ہر کتاب کے راویوں کے حق میں عام ہے، جیسا کہ ذہبی کے الفاظ صاف دلالت کرتے ہیں اور اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ ذہبی نے یہ قاعدہ ایسے راوی (مالک بن الخیر) کے ترجمہ میں اور اسی کی طرف سے مدافعت کرتے ہوئے بتایا ہے جو صحیحین کا راوی نہیں ہے اور اسی کے ضمن میں انھوں نے یہ کہا ہے کہ صحیحین میں بھی ایسے بہت سے راوی ہیں جن کی کسی نے توثیق نہیں کی ہے،

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس باب میں صحیحین و غیر صحیحین کے راویوں میں وہ کوئی فرق نہیں کرتے، اور اسی سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ صحیحین کے راویوں کی عدالت پر جمہور کا اتفاق نہیں مانتے، ورنہ غیر صحیحین کے راوی کے حق میں صحیحین کے راویوں کی نظیر پیش نہ کرتے۔

اسی طرح حفص بن بغیل بھی صحیحین کا راوی نہیں ہے، اس سے مدافعت کرتے ہوئے بھی ذہبی نے صحیحین کے مستور راویوں کی نظیر پیش کی ہے۔

پس اگر ذہبی صحیحین کے راویوں کی عدالت پر جمہور امت کے اتفاق کے قائل ہیں تو یہ نظیر کیوں کر صحیح ہو سکتی ہے؟

الوہی صاحب صاف صاف فرمائیں کہ وہ ذہبی کے بیان کردہ قاعدہ کو اس کے عموم کے ساتھ صحیح مانتے ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں مانتے تو جواب دیں کہ ذہبی کا یہ قاعدہ مالک بن الخیر اور حفص پر کیونکر منطبق ہوتا ہے؟ نیز یہ کہ مطلقاً صحیحین کو نظیر میں پیش کرنا کس طرح درست ہوگا؟

اس کے بعد آخری بات بھی سن لیجئے کہ آپ کی ان تمام تاویلات و مغالطات کے بعد بھی ابن فنجویہ کے حق میں مولانا مبارکپوری کی عدم واقفیت تسلیم کرنے سے چارۂ کار نہیں ہے۔

لیجئے! اب ہم بہ شکریہ مولانا موی ابن فنجویہ کا وہ ترجمہ بھی پیش کئے دیتے ہیں جو

Marfat.com

ثقہ ہونے کی تصریح کرے یا نہ کرے، اس کی روایت قبول کرتے ہیں (۶۴)
(ابن الصلاح ص۴۳)

اور سب سے آخر میں یہ کہ ابن الاثیر نے ابن فنجویہ کے تذکرہ میں ان کو حافظ کہا ہے، اور سخاوی کی تصریح کے بموجب یہ الفاظ توثیق میں سے ہے، لہٰذا صراحۃً بھی ابن فنجویہ کی توثیق ثابت ہو گئی (۶۵)۔

ان تمام باتوں کے ہوتے ہوئے ابن فنجویہ کی روایت کو ناقابل استدلال کہنا سوائے اس کے کہ غفلت پر مبنی کہا جائے اور اس کو بیجا جرأت قرار دیا جائے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

مولانا عبدالرحمٰن صاحب نے معرفۃ السنن کی روایت پر دو طریق سے کلام کیا ہے، ایک یہ کہ اس میں ایک راوی ابو طاہر ہیں، جن کی نسبت ہم کو علم نہیں ہے کہ کسی نے ان کی توثیق کی ہے، دوسرے ابو عثمان ہیں جن کا تذکرہ ہم کو کسی کتاب میں نہیں ملا۔

ان راویوں پر مولانا کا اعتراض بعینہ وہی ہے جو ابن فنجویہ پر تھا، لہٰذا اسکا

ان کے تقرا ور قابل احتجاج ہونے پر صراحۃً دلالت کرتا ہے۔

محدث و مؤرخ ابن العماد حنبلی شذرات الذہب میں زیر واقعات ۴۱۲ھ لکھتے ہیں۔

"وفیہا ابو عبد اللہ بن فنجویۃ الحسین بن محمد بن الحسین الثقفی الدینوری بنیسابور فی ربیع الآخر وکان ثقۃ مصنفا روی عن ابی بکر بن السنی و عیسیٰ بن حامد الرخجی وطبقتہما وحصل لہ حشمۃ ومال (ص۲۳ ج۳)

کہئے مولانا! اب کیا رائے ہے؟

(۶۳) و (۶۴) ان دونوں کا کوئی جواب الموی صاحب نے نہیں دیا۔

(۶۵) الموی صاحب نے اس کا جواب آگے دیا ہے،

Marfat.com

جواب بھی وہی ہے جو ابن فنجویہ کی طرف سے دیا جا چکا ہے، اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے، لیکن ہم مولانا کے اس جمود یا تعصب پر... اظہار افسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ یہ جانتے اور تسلیم کرتے ہوئے کہ ابو طاہر کو عبدالغافر اور سبکی وغیرہ نے امام اصحاب الحدیث اور امام المحدثین والفقہاء کہا ہے، کس دیدہ دلیری سے کہتے ہیں کہ اس سے ثقہ ہونا لازم نہیں آتا، کاش کوئی بتائے کہ محدثین نے ان کو اپنا امام تسلیم کیا، اور اہل نیشاپور نے ان کو منصب افتاء و مشیخت تفویض کیا تو کیا یہ اُن کی عدالت و ثقاہت اور فقہاء و محدثین کے ان پر کلی اعتماد کی دلیل نہیں ہے، اگر کوئی جرأت کر کے نفی میں جواب دے تو میں بھی بلا خوف تردید کہتا ہوں کہ جب خواص و عوام اور محدثین و فقہاء کے اندر اس قدر مقبولیت و اعتماد حاصل ہونے سے بھی ثقہ ہونا لازم نہیں آتا تو کسی ایک یا دو کے ثقہ کہہ دینے سے بطریق اولیٰ ثقہ ہونا لازم نہ آئے گا، کیونکہ جب اس جم غفیر کے عملی اظہار اعتماد سے کچھ نہیں ہوتا تو صرف دو یا ایک کے قولی اظہار اعتماد سے کیا ہو سکتا ہے کیا اتنے لوگ جن میں محدثین و فقہاء سب شامل ہیں کسی غیر ثقہ کو امام محدثین بنا سکتے ہیں؟ مفتی شہر قرار دے سکتے ہیں؟ اور اس کو شیخ تسلیم کر سکتے ہیں تو ایک یا دو آدمی کسی غیر ثقہ کو غلط بیانی کر کے یا کسی مطلب کیلئے رو رعایت سے ثقہ نہیں کہہ سکتے (۶۶)؟ خطیب نے اسی بات کو کفایہ ص۸۷ میں بایں الفاظ کہا

---

(۶۶) المعلمی صاحب نے تفویض منصب افتاء و مشیخت اور محدثین و فقہاء کے کلی اعتماد کا کوئی جواب نہیں دیا، بلکہ صرف یہ لکھا ہے کہ

"امام الفقہاء والمحدثین کی قسم کے الفاظ مجروح راویوں کے متعلق بھی استعمال کئے گئے ہیں، اور اس کی نظیر ہم پہلے پیش کر چکے ہیں" (ص۱۷۹)

المعلمی صاحب نے جہاں نظیر پیش کی ہے وہیں ہم نے بھی ان کو بتا دیا ہے کہ ان نظیر میں امام یا فقیہ یا بڑا محدث کہنا اس لئے مفید توثیق نہیں ہوا کہ وہ سب اشخاص مجر

والدليل على ذلك ان العلم يظهر سترهما واشتهار عدالتهما اقوى
فى النفوس من تعديل واحد واثنين يجوز عليهما الكذب و
المحاباة فى تعديله لاغراض داعية لهما الى وصفه بغير صفته
وبالرجوع الى النفوس يعلم ان ظهور ذلك من حالة اقوى

ہیں، ان پر صراحۃً جرح بھی کی گئی ہے، لیکن ابوطاہر کو امام الفقہاء والمحدثین تو کہا گیا مگر کوئی ادنیٰ درجہ کی بھی جرح کسی نے ان پر نہیں کی ہے، لہٰذا اس قسم کے الفاظ مجروح کے حق میں مفید نہ ہوں تو اس سے لازم نہیں آتا کہ غیر مجروح کے حق میں بھی مفید نہ ہوں۔

باقی رہا یہ کہنا کہ :-

"سبکی وعبدالغافر نے ابوطاہر کے تفقہ، تحدیث، اقتار اور تربیت وغیرہ میں مہارت کی تعریف کی ہے، عدالت وثقاہت کے متعلق کچھ نہیں کہا ہے" (ص۱۸۰)

تو گزارش ہے کہ سبکی وعبدالغافر نے صرف اتنا ہی نہیں کہا ہے بلکہ ان کی نسبت سبکی نے یہ بھی لکھا ہے :-

"سلمت اليه الفقها القتيا بمدينة نيسابور والمشيخة"
(فقہاء نے منصب افتاء ومشیخت شہر نیشاپور میں ان کو سپرد کیا)

اور عبدالغافر نے — "امام اصحاب الحديث بخراسان وفقيههم
بالاتفاق بلا مدافعة" (کہ وہ خراسان میں اصحاب الحدیث کے بالاتفاق
وبلا اختلاف امام وفقیہ تھے) ——— لکھا ہے،

جو اس بات کی بیّن دلیل ہے کہ وہ فقہائے نیشاپور وخراسان کے نزدیک بالاتفاق ان دونوں باتوں کے اہل اور متفق علیہ عادل تھے ——— الوی صاحب بتائیں کہ کیا کسی فاسق وفاجر کو بھی منصب افتاء ومشیخت سپرد کرنا جائز ہے؟

Marfat.com

فی النفس من تزکیۃ المعدل لھما ۔ (۶۷)

اصل یہ ہے کہ الموی صاحب اتنا کچھ سننے کے بعد بھی ابھی تک اسی چکر میں ہیں کہ ثقاہت کے لئے ضروری ہے کہ صاف لفظوں میں کسی نے ثقہ کہا ہو اور اشتہار عدالت کا بھی مطلب یہی ہے کہ لوگ عام طور پر یہ کہتے ہوں کہ وہ عادل تھے، حالانکہ اگر اشتہار عدالت کا بھی یہی مطلب ہو کہ صاف لفظوں میں لوگ عادل ہونے کی تصریح کرتے ہوں تو پھر ثبوت عدالت کی دو صورتیں جو علمائے فن نے لکھی ہیں، ان دونوں میں فرق ہی کیا رہ جائیگا معلوم ہوتا ہے الموی صاحب کو ابھی تک یہ پتہ نہیں کہ اصول حدیث میں مصرح ہے کہ عدالت کبھی تو تنصیص سے ثابت ہوتی ہے اور کبھی استفاضہ و شہرت سے، اور استفاضہ و شہرت کی صورت میں تنصیص کی ضرورت نہیں (دیکھو تدریب الراوی ص ۱۰۹)

اب بتائیے کہ استفاضہ کی صورت اس کے سوا کیا ہے کہ لوگ عام طور پر اس سے روایت لیتے ہوں، اس کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتے ہوں جو عادل ہی کے ساتھ ہو سکتا ہے مثلاً اس کو منصب افتاء و مشیخت سپرد کرتے ہوں، اس کو امام الفقہاء والمحدثین کے لقب سے یاد کرتے ہوں، اور ان سب باتوں کے ساتھ اس میں کوئی جرح و قدح نہ کرتے ہوں ابو طاہر میں یہ ساری باتیں موجود ہیں۔ لہٰذا ان کی عدالت میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔

اب اگر اس کے بعد یہ کہئے کہ سبکی و عبدالغافر نے انکی عدالت و ثقاہت کی تعریف نہیں کی تو یہ ثقاہت کی تنصیص کا مطالبہ ہوا اور اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کے نزدیک ثبوت کی ایک ہی صورت ہے جو از روئے علم اصول بالکل غلط ہے۔

(۶۷) بیان سابق سے واضح ہو گیا کہ مولانا مئوی نے اس مقام پر کفایہ کی عبارت بالکل برمحل نقل کی ہے، مگر چونکہ الموی صاحب کو عبارت فہمی سے کوئی واسطہ نہیں ہے اس لئے وہ اس کو بے محل کہہ رہے ہیں

الموی صاحب اشتہار عدالتھما کے لفظ پر تو غور کرنے کی دعوت دے رہے ہیں مگر خود ظہور عدالت پر مطلقاً غور نہیں کرتے اور کچھ نہیں سوچتے کہ اشتہار

اس کے سوا ایک اور بات بھی قابل تعجب و افسوس ہے، معلوم ہوتا ہے

عدالتہما اسی ظہور مبتدھا کا عطف تفسیری ہے اور اشتہار عدالت کی مراد خطیب کے نزدیک یہ ہے کہ اس کی کوئی ایسی بات جو عدالت میں قادح ہو ظاہر نہ ہو بلکہ ایسی چیزوں کا مخفی و مستور ہونا ظاہر ہو۔

مگر المعلمی صاحب اپنی عقلمندی سے اشتہار عدالت کا مطلب یہ سمجھ رہے ہیں کہ

"راوی کی عدالت صرف ثابت ہی نہیں بلکہ اس درجہ ثابت ہو کہ شہرت عام رکھتی ہو"۔

کوئی ان سے پوچھے کہ اگر ثابت ہونے کا مطلب تنصیص سے ثابت ہونا ہے تو اس کے بعد شہرت عام کی کیا ضرورت ہے اور اس صورت میں اس عبارت کا اس باب سے کیا جوڑ، جس باب میں خطیب نے اس کو لکھا ہے۔

اور اگر عدالت ثابت ہونے سے عدالت کا استفاضہ مراد ہے تو استفاضہ اور شہرت عام میں کیا فرق ہے؟ اس صورت میں تو آپ کے بتائے ہوئے مطلب کی دوسری تعبیر یوں ہو گی کہ ـــــ "اس درجہ استفاضہ رکھتی ہو کہ شہرت عام رکھتی ہو" ـــــ یہ کیا بات ہوئی؟

المعلمی صاحب میں سمجھنے کی صلاحیت ہوتی یا سمجھنا چاہتے تو اس باب کی آخری بات جو خطیب نے ابو مسہر کے قول کی شرح کرتے ہوئے لکھی ہے، اس سے سمجھ سکتے تھے کہ خطیب کی مراد اشتہار عدالت سے کیا ہے،

سنئے خطیب فرماتے ہیں:۔

"اراد ابو مسہر بہذا القول ان من عرفت مجالسته للعلماء واخذہ عنہم اغنی ظہور ذلك من امرہ ان یسأل عن حالہ (ص۱۰۳)

یعنی ابو مسہر کی مراد یہ ہے کہ جس راوی کا علماء کے پاس اٹھنا بیٹھنا اور ان سے

مولانا کو وہ تمام الفاظ و عبارات مستحضر نہیں ہیں جن سے ایک راوی کی توثیق ہوتی ہے، اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ثقہ، ثبت اور حجت جیسے معروف و مشہور الفاظ ہی سے توثیق ہوتی ہے، اگر ایسا ہے تو یہ سخت غلط فہمی اور بے خبری ہے، توثیق انھیں الفاظ میں منحصر نہیں ہے، حافظ سخاوی نے فتح المغیث میں اور سندی نے شرح نخبہ میں عبارات توثیق کے چھ درجے قائم کئے ہیں اور ہر درجہ میں کئی کئی لفظ لکھے ہیں، ازانجملہ چوتھے درجہ میں ثقہ، ثبت اور حجۃ کے ساتھ لفظ امام اور حافظ کو بھی الفاظ توثیق میں شمار کیا ہے (۶۸)۔ فرماتے ہیں :۔

استفادہ کرنا معلوم ہو تو اس کی اس بات کا ظہور اس کا حال پوچھنے سے مستغنی کر دیتا ہے۔"

دیکھئے کتنی وضاحت سے خطیب نے بتا دیا کہ صرف یہ بات ظاہر ہونی چاہیئے کہ راوی علماء کی مجلسوں میں شریک اور ان سے مستفید ہوا ہے، اس کے بعد اس کا حال پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اور یہ تو پہلے ہی وہ لکھ چکے ہیں کہ ستر یعنی جرح و قدح کا مخفی ہونا بھی ظاہر ہونا چاہیئے پس اس اصول سے ہر وہ راوی جس پر جرح و قدح کا پتہ نہ ہو اور اسکے طلب و تحصیل کی شہرت یا اسکا ظہور ہو وہ ثقہ ہے اور ابو طاہر کی نسبت پہلے بتایا جا چکا ہے کہ سبکی نے گیارہ عالموں سے ان کا علم حاصل کرنا اور ایک کثیر التعداد مخلوق کا ان سے روایت کرنا جن میں سے دس کے نام بھی انھوں نے گنوا دئے ہیں، بیان کیا ہے اور آج تک ان کے باب میں کسی جرح و قدح کا پتہ نہیں چلا بلکہ اس کے برخلاف ان کو تمام فقہاء نے نیشاپور نے منصب افتاء و شیخت سپرد کر کے مہر توثیق ثبت کر دی ہے۔

پھر ایسے راوی کی عدالت کا ثبوت مانگنا اعلیٰ درجہ کی بیخبری و بے بصری نہیں ہے تو اور کیا ہے

(۶۸) الموی صاحب نے اس کے جواب میں لکھا ہے کہ :۔

"جب کسی عادل کے حق میں یہ الفاظ استعمال نہ کئے جائیں گے تو اس وقت

Marfat.com

ثم ما انفرد فیه بصیغة دالة علی التوثیق کثقة او ثبت او کانه مصحف او حجة او امام او ضابط او حافظ (سخاوی و سندی بحوالہ الرفع والتکمیل ص۱۲)

اس گزارش کے بعد میں چاہتا ہوں کہ محدثین نے ابوطاہر کے حق میں جو کہا ہے اس کو اپنے سامنے رکھ کر پوچھوں کہ کیا الفاظ امام اصحاب الحدیث اور امام المحدثین والفقہاء سے ابوطاہر کا ثقہ ہونا ثابت نہیں ہوتا اور اس کا انکار تعصب اور بے خبری نہیں ہے ؟

ان کا شمار الفاظ توثیق میں ہوگا" (ص۱۸۱)

ہم الوی صاحب سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ عادل سے آپ کی کیا مراد ہے ؟ اگر یہ مراد ہو کہ کسی نے اس کو صراحۃً عادل کہا ہو تو اس تخصیص کی کیا دلیل ہے ؟ علمائے اصول تو جس کو صراحۃً عادل کہا گیا ہو اور جس کی عدالت مستفیض ہو عادل دونوں کو عالم کہتے ہیں۔

اور اس کے بعد گزارش ہے کہ لفظ توثیق سے اگر مفید عدالت مراد ہے تو یہ تحصیل حاصل ہے، اور اگر مفید حفظ و علم مراد ہے تو عادل کی تخصیص غلط اور خلاف واقعہ ہے، راوی چاہے عادل ہو یا غیر عادل، مجروح ہو یا غیر مجروح، دونوں کے حق میں امام و حافظ کے الفاظ ان کے لئے ثبوت علم و حفظ کے مفید ہیں،

الوی صاحب دیکھیں کہ نعیم بن حماد اور ابوالفتح ازدی دونوں مجروح ہیں پھر بھی ذہبی نے دونوں کو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے،

ہمارے اس بیان سے واضح ہو گیا کہ الوی صاحب نے ابن الصلاح کی عبارت بے سمجھے بوجھے نقل کر دی ہے۔ لفظ عدل سے ابن الصلاح کی مراد غیر مجروح ہے اور مطلب یہ ہے کہ جس راوی پر کوئی جرح نہ ہو اس کے حق میں لفظ حافظ مفید عدالت ہے اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ وہ لفظ حافظ کو الفاظ التعدیل کے ضمن میں ذکر کرتے ہیں یعنی جو الفاظ ثبت عدالت ہوتے ہیں۔

Marfat.com

سنئے! علامہ حافظ تاج الدین سبکی طبقات الشافعیہ ص۲۵۲ ج۳ میں فرماتے ہیں

"الفقیہ الشیخ ابوطاھر الزیادی امام المحدثین والفقہا بنیسابور فی زمانہ وکان شیخا ادیبا عارفا بالعربیۃ سلمت الیہ الفقہاء الفتیاء بمدینۃ نیسابور والمشیخۃ"

اور اسی کتاب میں ہے کہ عبدالغافر نے ابوطاہر کی نسبت کہا ہے کہ:-

"امام اصحاب الحدیث بخراسان وفقیھم بالاتفاق بلامدافعۃ (ص ۸۳ ج ۳)

وہ پورے خراسان کے بالاتفاق وبلا اختلاف امام اصحاب الحدیث اور فقیہ تھے"

حیرت کی بات ہے کہ ایک شخص کسی راوی کو امام کہہ دے تو از روئے اصول حدیث اس کی توثیق ہو جاتی ہے، لیکن پورا خراسان ابوطاہر کو صرف امام نہیں امام اصحاب الحدیث بالاتفاق تسلیم کرلے تو مولانا کے نزدیک اُن کا ثقہ ہونا لازم نہیں آتا۔ ع

بہ سوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست!

اور مسلم الثبوت کی عبارت سے تو یہ بات اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے، اس لئے کہ وہ تو بہ قول آپ کے لفظ حجۃ وثقہ کو بھی عادل ہی راوی کے حق میں موجب توثیق لکھتے ہیں

اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ جب حجۃ اور ثقہ کے لفظ سے بھی اسی راوی کی توثیق ہوگی جو پہلے سے عادل ہو تو اولاً یہ الفاظ مفید تعدیل کس طرح ہوئے، وہ تو پہلے ہی سے عادل ہے، ثانیاً پہلے سے عادل ہونے کا علم کس طرح ہوگا، آپ کے بیان سے تو معلوم ہوتا ہے کہ تنصیص سے ــــ لہٰذا سوال ہے کہ تنصیص عادل ہونے کی ضروری ہے؟ یعنی یہ ضروری ہے کہ کسی نے اس کو ھو عدل کہا ہو؟ یا اس لفظ کے علاوہ ثقہ یا حجۃ کہا ہو تب بھی کافی ہے،

اب رہے ابو عثمان بصری تو معلوم ہے کہ ان کا نام عمرو بن عبداللہ ہے اور امام ابو طاہر کے علاوہ ان سے الحسن بن علی بن مومل بھی روایت کرتے ہیں

اگر پہلی بات ضروری ہے تو میں چیلنج کر کے کہتا ہوں کہ اس طرح کسی راوی کی ثقاہت بھی ثابت کرنا لوہے کے چنے چبانا ہے۔ فرض کیجئے کہ امام بخاری کے استاد حمیدی کو امام احمد نے امام اور ابو حاتم نے ثقہ کہا ہے۔ اب آپ بتائیے کہ ان حضرات سے پہلے حمیدی کو عدل کس نے کہا ہے؟ اگر کسی نے پہلے یہ نہیں کہا ہے تو لفظ امام و ثقہ سے حمیدی کی توثیق نہیں ہو سکتی، یا مثلاً علیؒ بن جاریہ کو آپ ثقہ مانتے ہیں تو اس بنا پر کہ ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے تو بتائیے ابن حبان سے پہلے اس کو عدل کس نے کہا ہے؟ اگر نہیں کہا ہے تو ثقات میں ذکر کرنے سے اسکی ثقاہت کیسے ثابت ہو گئی؟۔ اور اگر عدل کہنا ضروری نہ ہو بلکہ کوئی ایسا لفظ جو مثبت عدالت ہو، اس کا ہونا ضروری ہے تو گزارش ہے کہ جب حجۃ اور ثقہ جو سب سے اونچے الفاظ ہیں وہ بھی مثبت عدالت نہیں ہیں تو دوسرا کون سا لفظ مثبت عدالت ہو سکتا ہے اور جب یہ الفاظ غیر عادل کی توثیق کا موجب نہیں ہو سکتے تو دوسرے کسی لفظ میں کیا دم ہے کہ وہ غیر عادل کی توثیق کا موجب ہو گا، اب اگر آپ گھبرا کر یہ کہیں کہ یہ کچھ ضروری نہیں ہے کہ ثقہ کہنے سے پہلے کوئی لفظ (چاہے عدل ہو یا دوسرا لفظ کہا گیا ہو تو سوال ہے کہ پھر عادل ہونے کی تنصیص کہاں پائی گئی اور اس صورت میں وہ راوی عادل کیسے ثابت ہو گا؟ اس کے بعد المعلمی صاحب فرماتے ہیں کہ

"بڑی پر لطف بات یہ ہے کہ مولانا مئوی ابو الفتح ازدی کو احلام مرفوعہ میں ضعیف و صاحب مناکیر و غیر مرضی لکھتے ہیں۔ لیکن انھیں ابو الفتح کو خطیب نے حافظ کہا ہے، (ص ۱۸۱)

المعلمی صاحب کو کتنی مرتبہ سمجھایا جائے کہ جس راوی کو حافظ کہنے کے ساتھ اس پر جرح بھی کی گئی ہو، اس کے حق میں اگر یہ لفظ مفید نہ ہو تو اس سے یہ کونکر لازم آتا ہے کہ جس پر کوئی جرح نہیں کی گئی ہے اس کے حق میں بھی مفید نہ ہو

Marfat.com

اور روایت زیر بحث کے علاوہ ان کی متعدد روایتیں سنن کبری میں موجود ہیں، (۶۹)
اور محدثین میں سے کسی شخص نے ان کی تضعیف نہیں کی ہے، زیادہ سے زیادہ

ابوالفتح کے حق میں حافظ کہے جانے کی اہمیت اس لئے نہیں ہے کہ ان پر جرحیں کی گئی ہیں لیکن ابن فنجویہ کے حق میں اس لفظ کی اہمیت اس لئے ہے کہ اسکی تعریف کے بعد ان پر کوئی جرح نہیں کی گئی ہے۔

اس کے بعد المعلمی صاحب فرماتے ہیں کہ

"لیجئے اب تو کوئی شبہ نہیں رہا کہ حافظ کا لفظ راوی کی عدالت و ثقاہت کو مستلزم نہیں"

جی ہاں! اور آپ کے ارشادات کے بعد تو اب اس میں کوئی شبہ نہیں رہا کہ تعدیل کے جو سب سے اونچے الفاظ ہیں، یعنی حجۃ و ثقۃ وہ بھی راوی کی عدالت و ثقاہت کو مستلزم نہیں ہیں، اس لئے کہ یہ الفاظ بھی عادل ہی راوی کی توثیق کے موجب ہیں جبتک پہلے سے وہ عادل ثابت نہ ہوں، اس وقت تک ان الفاظ سے عدالت و ثقاہت ثابت نہ ہوگی، چلئے صفایا ہی ہوگیا،۔

(۶۹) ابو عثمان بصری کے باب میں المعلمی صاحب نے صرف اتنا معلوم ہونا ظاہر کیا ہے کہ ان کا نام عمرو بن عبداللہ ہے، حالانکہ قارئین رکعات تراویح دیکھ رہے ہیں کہ انکی نسبت یہ بھی معلوم ہے کہ ان سے ابوطاہر زیادی اور الحسن بن علی نے روایت کی ہے اور ان کی متعدد روایتیں سنن کبرے میں موجود ہیں،

اس کے بعد المعلمی صاحب کا یہ لکھنا کہ

"ان کا ترجمہ اسماء الرجال کی کتابوں میں کہیں نہیں ملتا"

مغالطہ سے خالی نہیں ہے، اس لئے کہ معروف العدالہ ہونے کے لئے اسماء الرجال کی کتابوں میں ترجمہ ملنا ضروری نہیں ہے، نیز اسماء الرجال کی کل کتابیں المعلمی صاحب کو دستیاب کب ہوئی ہیں جو فرمانے لگے کہ ان کا ترجمہ کہیں نہیں ملتا۔

Marfat.com

ان کی نسبت اتنی بات کہی جا سکتی ہے کہ ہم کو معلوم نہیں کہ ان کو کسی نے صراحۃً ثقہ کہا ہے، تو ذہبی کے حوالہ سے ثابت کر چکا ہوں کہ ایسے راوی تو صحیحین میں بھی بکثرت ہیں، مگر جمہور نے ان کی روایات کو صحیح تسلیم کیا ہے(۷۰)۔ اس اصول سے ابو عثمان کی روایت بھی صحیح ہے، اور مذکورہ بالا بنیاد پر اس کو مجروح قرار دینا تعصب و تحکم ہے،

نیز المعلمی صاحب خود اپنی ہی بات اس قدر جلد بھول گئے، ابھی ذرا پہلے تو وہ اقرار کر رہے تھے کہ اگر:۔

"وہ (ابن فنجویہ) واقعی شہرت اور محدثین میں مقبولیت کے حامل ہوتے۔ تو علامہ سبکی ان کو کبھی نظر انداز نہ کرتے (ص ۲۰۲)

اور ابو عثمان بصری کو سبکی نے ابو طاہر کے اساتذہ میں ذکر کیا ہے، لہذا خود ان کے قول سے ثابت ہو گیا کہ ابو عثمان واقعی شہرت اور محدثین میں ایسی مقبولیت کے حامل تھے کہ سبکی ان کو نظر انداز نہ کر سکے۔

اس کے بعد المعلمی صاحب نے ابو عثمان کو مجہول العدالۃ یا مستور لکھنے کی جرأت کس طرح کی، یہ اُستاد کی ناجائز حمایت نہیں ہے تو اس کا کیا نام ہے،

بہر حال جب ابو عثمان خود المعلمی صاحب کی دلیل سے محدثین میں مقبولیت کے حامل تھے تو ان کا عادل ہونا ثابت ہو گیا اس لئے کہ بتصریح علمائے اصول ثبوت عدالت کا ایک طریقہ استفاضہ بھی ہے، جیسا کہ اوپر بہ تفصیل تمام گزر چکا۔

(۷۰) اس پر المعلمی صاحب نے لکھا ہے کہ

"صحیحین کے راوی پر دوسرے راویوں کا قیاس کرنا محدثین کی تصریحات سے ناواقفیت کی دلیل ہے"۔ (ص ۱۸۳)

مگر المعلمی صاحب نے یہ نہیں سوچا کہ امام ذہبی جو صاحب استقراء تام فی الرجال ہیں انھوں نے مالک بن انس اور حفص بن غیلان کو صحیحین کے راویوں پر قیاس کیا ہے لہذا محدثین کی تصریحات سے

Marfat.com

آخر میں ایک بات اور رہ ہی جاتی ہے، وہ یہ کہ اگر بالفرض معرفۃ السنن کی یہ روایت ضعیف بھی ہو، تو چونکہ وہ سنن کبری میں دوسرے طریق سے مروی ہے، اس لئے خود مولانا ہی کی تصریح کے بموجب اس کا ضعف دفع ہو جائے گا۔ (۱۷)

مولانا ابکار المنن ص ۱۷۴ و ص ۱۷۵ میں لکھتے ہیں۔

" ھذا الحدیث وان کان اسنادہ ضعیفا لکنہ منجبر بتعدد طرقہ[۱]

مولانا نے دوسرا اعتراض اس روایت پر یہ کیا ہے کہ وہ سنن سعید و موطائے مالک کی گیارہ والی روایت اور ابن اسحاق کی تیرہ والی روایت کی معارض ہے،

مولانا کا یہ اعتراض بھی تعصب اور اپنی بات کی بیجا پاس سے خالی نہیں ہے، اسلئے کہ گیارہ اور تیرہ والی روایتیں بھی تو باہم متعارض ہیں اور ہر ایک دوسرے کے خلاف ہے تو جب ان میں کوئی بھی دوسرے کی معارض ہوتے ہوئے مجروح و ساقط نہیں ہوئی تو بیس والی اس بنیاد پر کیوں مجروح و ساقط ہوگی؟ اور اگر آپ ان دونوں کے تعارض کو کسی تاویل کے

نا واقفیت کی چوٹ امام ذہبی پر ہوئی، جی ہاں! جب مطلب ہو تو صاحب استقراء تام! اور جب خلاف مطلب ہو تو محدثین کی تصریحات سے ناواقف!

(۱۷) الموی صاحب فرماتے ہیں کہ :۔

" تعدد طرق سے وہ ضعف دور ہوتا ہے جو معمولی درجہ کا ہو اور جس راوی کا

---

[۱] حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں :۔

"فان الطرق اذا کثرت وتباینت مخارجہا دل ذلک علی ان لہا اصلا (ص ۳۰۷ ج ۳)

اور اس سے ذرا پہلے فرماتے ہیں :۔

"وکلہا سوی طریق سعید بن جبیر اما ضعیفۃ واما منقطعۃ لکن کثرۃ الطرق تدل علی ان للقصۃ اصلا (ص ۳۰۷ ج ۳)

بھروسہ پر کالعدم سمجھتے ہیں۔ مثلاً یہ کہتے ہیں کہ اگرچہ تیرہ والی روایت کے کسی لفظ سے تو معلوم نہیں ہوتا، مگر احتمال عقلی ہے کہ اس میں دو رکعتیں سنت عشاء کی شامل ہوں تو اس احتمال کے بموجب اس میں تراویح کی رکعتیں گیارہ ہی ہوئیں، اور اس طرح وہ گیارہ والی روایت کے مخالف نہ رہیں، تو گزارش ہے کہ گیارہ اور تیرہ کے تعارض کو کسی تاویل و احتمال عقلی سے دفع کرنا آپ کے لئے جائز ہے۔ تو دوسروں کے حق میں اسی نوعیت سے گیارہ اور بیس کے تعارض کو دفع کرنا کیوں ناجائز ہے، اور اگر آپ گیارہ اور تیرہ کے تعارض کو تاویل سے کالعدم قرار دے سکتے ہیں تو آپ سے کہیں زیادہ اعلم بالحدیث امام بیہقی نے سنن کبریٰ میں گیارہ اور بیس کے تعارض کو بھی کالعدم قرار دیا ہے اور وہ آپ کے علم میں ہے، پھر آپ نے یہ جانتے ہوئے تعارض کا دعویٰ کیوں کیا؟ کیا یہ تعصب اور مغالطہ میں ڈالنا نہیں ہے؟

کچھ حال ہی معلوم نہ ہو، اس کے متعلق یہ کیسے فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ تعدد طرق سے اس کا ضعف دور ہو گیا" (ص ۱۸۳)

بتائیے اس جہل مرکب کا کیا علاج کیا جائے؟ علمائے اصول تو تصریح فرماتے ہیں کہ

"کذا اذا کان ضعفها لارسال او تدلیس او جهالة رجال کما زاده شیخ الاسلام زال بمجیئه من وجه آخر (تدریب الراوی، ص ۵۸) یعنی اسی طرح جب کہ روایت کا ضعف ارسال یا تدلیس کی وجہ سے یا راویوں کی جہالت (حال معلوم نہ ہونے) کی وجہ سے ہو جیسا کہ شیخ الاسلام نے اس کو زیادہ کیا ہے تو دوسرے طریق سے مروی ہونے سے ضعف زائل ہو جائے گا"

اور املوی صاحب ابن الصلاح کی ایک عبارت کو لیکر بے سمجھے ہوئے یہ فرماتے ہیں کہ

"حال معلوم نہ ہونے کی صورت میں ضعف دور ہونے کا فیصلہ

Marfat.com

امام بیہقی نے پہلے گیارہ والی ایک روایت کو نقل کرکے لکھا ہے :-
" ھکذا فی ھذہ الروایۃ (یعنی اس روایت میں اسی طرح ہے)
اس کے بعد بیس والی دو روایتوں کو نقل کرکے لکھا ہے۔
" ویمکن الجمع بین الروایتین فانھم کانوا یقومون باحدی عشرۃ ثم کانوا یقومون بعشرین ویوترون بثلاث (سنن کبری ص۴۹۶/۲)
یعنی (گیارہ اور بیس کی) دونوں روایتوں میں تطبیق ممکن ہے پس بیشک وہ لوگ پہلے گیارہ رکعت پڑھا کرتے تھے، اس کے بعد بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھنے لگے۔

نہیں کیا جا سکتا "۔

اگر الوی صاحب ابن الصلاح کی عبارت سمجھے ہوتے اور پوری عبارت نقل کر دیتے تو اس سے بھی صاحبے کمات کا مدعا ثابت ہو جاتا، اس لئے کہ ابن الصلاح نے تصریح کی ہے کہ ضعف بوجہ ارسال ہو وہ تعدد طرق سے دفع ہو جاتا ہے، اور ظاہر ہے کہ ارسال کی صورت میں راوی صرف مجہول الحال نہیں بلکہ مجہول الذات بھی ہوتا ہے، با ایں ہمہ تعدد سے ضعف دفع ہو جاتا ہے تو صرف مجہول الحال ہونے کی صورت میں بطریق اولیٰ دفع ہو جائے گا۔

اسی طرح اگر الوی صاحب نے ظاہر کر دیا ہوتا کہ کون سا ضعف معمولی اور کون سا غیر معمولی ہوتا ہے تب بھی صاحبے کمات کا مدعا ثابت ہو جاتا اور اسی کے ساتھ یہ بھی ظاہر ہو جاتا کہ اس موقع پر مبارکپوری صاحب کے کلام کو استشہاداً پیش کرنا علامہ موصوف کی محض نادانی و جہالت ہے، یا یہ نادانی و جہالت کہیں اور جا کر چھپتی ہے۔
یہ معما سمجھ میں نہ آیا ہو تو سنئے کہ مبارکپوری صاحب نے جس روایت کی بابت یہ تحریر پیش کیا ہے، اس کا راوی بشیر بن رافع ہے اور اس پر ائمہ حدیث نے حسب ذیل جرحیں کی ہیں۔

Marfat.com

لطف کی بات یہ ہے کہ مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری صرف یہی نہیں کہ بیہقی کی اس تطبیق و دفع تعارض سے واقف ہیں بلکہ تحفۃ الاحوذی ۶۷/۲ میں اس کو انھوں نے نقل بھی کیا ہے اور امکان تطبیق و دفع تعارض پر کوئی اعتراض بھی نہیں کیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ ان کو یہ امکان تسلیم ہے، پھر بھی انھوں نے بیس والی روایت پر اعتراض کر دیا کہ وہ گیارہ والی کے معارض ہے، شاید اس لئے کہ جواب کا نام ہو جائے چاہے کام ہو یا نہ ہو۔

امام احمد :۔ لیس بشئ ضعیف فی الحدیث۔

امام بخاری :۔ لایتابع فی حدیثہ۔

ترمذی :۔ یضعف فی الحدیث۔

نسائی :۔ ضعیف۔

ابوحاتم :۔ ضعیف الحدیث۔ منکر الحدیث لانری لہ حدیثا قائما۔

ابواحمد :۔ لیس بالقوی عندھم۔

یعقوب بن سفیان :۔ لین الحدیث۔

عقیلی :۔ لہ مناکیر۔

دارقطنی :۔ منکر الحدیث۔

ابن عبدالبر :۔ ضعیف عندھم، منکر الحدیث، اتفقوا علی انکار حدیثہ وطرح ماروٰہ وترک الاحتجاج بہ لایختلف علماء الحدیث فی ذلک

ابن حبان :۔ یاتی بطامات عن یحیی بن ابی کثیر موضوعۃ یعرفہا من لم یکن الحدیث صناعتہ کانہ المعتمد لہا

ابن حجر :۔ نے اس کو ضعیف الحدیث لکھا ہے، اور یہ لفظ وہ اس راوی کے

Marfat.com

باب میں لکھتے ہیں، جس کے حق میں کسی معتبر کی توثیق وہ نہیں پاتے۔
یہ وہ راوی ہے جس کی حدیث کے ضعف کو مولانا مبارک پوری نے تعدد طرق سے زائل قرار دیا ہے۔

اب ہم املوی صاحب سے پوچھتے ہیں کہ کیا یہ ضعف معمولی درجہ کا ہے؟ اگر ہاں کہتے ہوں تو ثابت کیجئے کہ جہالت حال کی وجہ سے جو ضعف ہوتا ہے وہ اس سے بڑھ کر ہوتا ہے ـــــ اور اگر یہ ضعف معمولی درجہ کا نہیں ہے تو تعدد طرق کی وجہ سے اس کے دُور ہونے کا دعوٰے کرنا وہی بات ہے یا نہیں جو آپ نے علامہ مؤی کی نسبت لکھی ہے

Marfat.com

تصحیح اغلاط

غلط	صحیح	صفحہ، سطر	غلط	صحیح	صفحہ، سطر
رکعت	رکعات	۵ — ۲	دعوی پر	دعوی پر اس	۴۳ - ۱
پر	پر	۷ — ۱۲	مثلث اخرون	ثلث والاخرون	۴۴ - ۲
جہمیہ	جہمیہ	۸ — ۱۳	عارئیۃ الاحوذی	عارضۃ الاحوذی	۴۵ - ۲۰
اقرار کرلیا	اسکا اقرار کرلیا ہی	۱۱ - ۶	صورت میں تیرہ سے	صورت میں تیرہ سے	۶۳ - ۳
ص ۳۲۷	ص ۳۲۷	۱۱ - ۷		زائد کر تیرہ سے	
پڑھنے سے پہلے	پڑھئے، پہلے	۱۱ - ۱۰	فعل نبوی کو	فعل نبوی	۶۹ - ۱۱
"	یہ	۱۱ - ۱۲	جب گیا وامام مالک	جب امام مالک	۶۹ - ۱۲
یہ	×	۱۱ - ۱۳	لم تردد	لم تردد	۷۰ - ۶
بایت	بایت	۱۱ - ۱۴	نفلی تاز	نفلی نماز	۷۸ - ۱۸
الوتر	الوترسے	۱۱ — ۱۶	پنہ	پتہ	۷۸ — ۲۱
التحوید	التحدید	۱۱ — ۱۹	آب	آپ	۷۸ — ۲۲
مرزوی	مروزی	۳ - ۲۳	لانیقص کالفظ	لانیقص لفظ	۸۰ — ۱۷
لائیے	لائیے	۳ - ۲۴	کرنا یائز	کرنا جائز	۸۱ — ۳
دزنوھم	دزنوھم	۴ - ۲۶	مدیث دخت	حدیث وسنت	۸۱ — ۱۴
اسلو	اسکو	۹ - ۲۷	بدکول	مدلول	۸۱ — ۲۱
کرمنانی	منانی	۱۵ - ۲۹	امر محمد	امام محمد	۸۱ — ۲۱
یاہم	یاہم	۱ - ۳۷	کان بندد	کان یزید	۸۲ - ۱۲
بحث	بحث	۱۲ - ۳۹	زنی	ترنی	۸۳ — ۱۱
گراں	گران	۲۱ - ۴۰	از مصابیح	انوار مصابیح	۸۳ — ۲۰

(ب)

غلط	صحیح	صفحہ سطر	غلط	صحیح	صفحہ سطر
کاہم	کلام	۹۴ ـ ۹	اورزیادہ	اوردہ زیادہ	۱۱۴ ـ ۱
وس	اس	۸۴ ـ ۱۹	پڑھاہے وہ	پڑھاہے وہ نفلی	
فلاھر	طاھر	۸۴ ـ ۱۹	آپ کا۔	طور پر پڑھاہے"	۱۱۷ ـ ۱۵
کہ تقریبًا	کی تقریبًا	۸۶ ـ ۷	ر	وہ آپ کا	
ردکو	ددکر	۸۷ ـ ۱۵	نمازیں	نمازیں	۱۱۸ ـ ۸
کیارہ	گیارہ	۸۷ ـ ۱۵	گرافسوس	مگرافسوس	۱۱۸ ـ ۹
ان لیا	مان لیا	۸۷ ـ ۱۷	کہ مسئلہ	کہ یہ مسئلہ	۱۲۰ ـ ۴
یہ خود	خود	۸۷ ـ ۲۰	دوسرے الگ	دوسرے سے الگ	۱۲۲ ـ ۱
ددکر	دوکر	۸۸ ـ ۱۰	ظائف	لطائف	۱۲۲ ـ ۱۱
توآپ	توراپ	۸۹ ـ ۱۶	منتقل	نقل	۱۲۲ ـ ۱۲
فتح المہم	فتح الملہم	۹۳ ـ ۱۰	ہست رکعات	ہشت رکعات	۱۲۲ ـ ۱۹
ذد	فرد	۹۴ ۱۷	"لیلہ"	"لیلة"	۱۲۶ ـ ۳
ان کے	اس کے	۹۶ ـ ۵	وہ مرتبہ	دومرتبہ	۱۲۶ ـ ۶
تخالف نہیں ہے	تخالف نہیں کہ	۹۶ ـ ۷	باجماتہ	باجماعۃ	۱۲۶ ـ ۲۲
فقرہ میں	فقرہ سے	۹۷ ۱۴	کردہ	مکروہ	۱۲۷ ـ ۹
انخ	×	۱۰۱ ـ ۹	اسکی وبہ	اسکی وجہ	۱۲۷ ـ ۲۲
کے نام	کا نام	۱۰۶ ـ ۲۱	اسی حافظ	اسی لئے حافظ	۱۲۸ ـ ۷
عمر بھر میں صرف	عمر بھر میں صرف		اب ثنا	انحیاتا	۱۲۸ ـ ۲۲
ہمیں دن مضان میں	ہمیں دن تراویح پڑھی	۱۰۶ ـ ۲۲	زید ابن ثابت	زید بن ثابت	۱۲۹ ـ ۵
	تو عمر بھر میں صرف ہمیں دن مضان میں		بیان کرتے ہیں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز باجماعت کو بہت سے صحابی بیان کرتے ہیں مگر ان صحابیوں کی۔	بیان کرتے ہیں مگر ان صحابیوں	۱۲۹ ـ ۹
	العرف الشذی	۱۱۲ ـ ۱			

Marfat.com

غلط	صحیح	صفحہ سطر	غلط	صحیح	صفحہ سطر
رکعت	رکعات	۱۳۰ - ۳	بخلی	بخطی	۱۴۹ - ۱۷
بسان	بیان	۱۳۰ - ۱۰	ان کے اسناد	ان کے اسناد	۱۴۹ - ۲۲
عقیل	عقیلی	۱۳۱ - ۹	المولی صاحب	المولی صاحب نے	۱۴۹ - ۲۳
ابوزرعہ	ابوزرعہ	۱۳۱ - ۱۲	سابق	صحابی	۱۵۱ - ۱۲
صحذ	ثقہ	۱۳۱ - ۲۱	ولا روایت	وہ روایت	۱۵۱ - ۲۱
دوسرے صحابہ	دوسرے صحابی	۱۳۲ - ۴	آئینہ وہ	آئینہ دار	۱۵۱ - ۱۱
لااوھام	لہ اوھام	۱۳۳ - ۱۵	من	متن	۱۵۴ - ۹
حدیث اسکی	حدیث سے اسکی	۱۳۴ - ۱	اسکے نزدیک	کے نزدیک	۱۵۴ - ۱۹
وجہ بیان	وجہ یہ بیان	۱۳۵ - ۴	حدیث کر	حدیث کو	۱۵۴ - ۱۹
عائشہ کسی	عائشہ کے کسی	۱۳۶ - ۱	ان لینا	مان لینا	۱۵۶ - ۱۲
غیر متعنت سے	غیر متعنت نے	۱۳۶ - ۴	استفا	انتفا	۱۵۶ - ۱۴
ابوحاتم ہیں	ابوحاتم	۱۳۶ - ۹	اسی طرح	اس طرح	۱۵۷ - ۱۴
بسجدۃ	بسجدہ	۱۳۷ - ۹	سورا شوری	شوریٰ شوری	۱۵۸ - ۱۱
تری زبردستی	نری زبردستی	۱۳۸ - ۷	دو باتوں	دونوں باتوں	۱۵۸ - ۱۹
دائمی کی صفت	دائمی صفت	۱۴۰ - ۲	توقع ہے	توقع ہی	۱۵۹ - ۲۲
میری گزارش یہ ہے کہ اگر (آخر سطر تک)	مکرر (×)	۱۴۴ - ۲۲	ثواب	صواب	۱۶۰ - ۴
			تصورب	تصویب	۱۶۰ - ۲۱
شیخ صالح ہیں	شیخ صالح ہے	۱۴۷ - ۸	جس کا	جن کا	۱۶۳ - ۹
ان کی	اس کی	۱۴۷ - ۸	کس کا بیا	کس کا بیٹا	۱۶۳ - ۱۱
الاردابت	اوردلہ ابن	۱۴۷ - ۲۰	بقانہ زجۃ	بقاعدتہ	۱۶۴ - ۴
توثیق ہی	توثیق ہی	۱۴۸ - ۱۱	رہے کہ	یہ ہے کہ	۱۶۴ - ۲۱
حرحوں	جرحوں	۱۴۹ - ۸	منکر تو	منکر نہ ہو تو	۱۶۴ - ۲۲

Marfat.com

غلط	صحیح	صفحہ سطر
رایون	راویون	۱۶۵ ـ ۲۲
اکثر رایون	اکثر راویون	۱۶۶ ـ ۵
جو بیان	جو بلا بیان	۱۶۸ ـ ۱۲
لاتنبہ	لابنہ	۱۷۰ ـ ۱۸
استقرار نہ ہونے	استقرار تام ہونے	۱۷۲ ـ ۱۰
علم الحدیث میں	معرفۃ علوم الحدیث میں	۱۷۹ ـ ۱۸
نقلی جماعت	نقل کی جماعت	۱۸۴ ـ ۲۱
اور اختلات	اور وہ اختلاف	۱۹۲ ـ ۱۸
طریق کار کو	طریق کو	۱۹۳ ـ ۱۵
الوی	الوی	۱۹۹ ۱۲

غلط	صحیح	صفحہ
ابن الصباح	ابن الصلاح	۲۰۰ ـ ۵
ثقل مت	ثقاہت	۲۰۶ ـ ۱۱
فعل درکش	نعل درآتش	۲۰۸ ـ ۱۰
واقعہ	واقعیہ	۲۰۸ ـ ۳
مستفیض ہو	مستفیض ہو	۲۲۵ ـ ۱۱
عادل دونوں کو	دونوں کو	
عالم کہتے ہیں	عادل کہتے ہیں	
استاد خمیدی	استاد حمیدی	۲۲۷ ـ ۴
مانتے ہیں تو اس	مانتے ہیں اس	۲۲۷ ـ ۷
بشیر بن رافع	بشر بن رافع	۲۳۲ ـ ۲

(معذرت)

کتابت و طباعت کی اتنی غلطیوں کی نشاندہی کے بعد بھی یہ ممکن ہے کہ ہماری نظروں سے کچھ غلطیاں اوجھل رہ گئی ہوں اس لئے معذرت کے ساتھ درخواست ہے کہ قارئین ان کی تصحیح فرمالیں۔

(مصحح)

Marfat.com

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ

۲۶

رکعاتِ تراویح

(جدید ایڈیشن)

از

مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی

مدلّل بر دّانوارِ مصابیح

حصّہ اول

از

مولانا عبدالباری قاسمی مدرس مفتاح العلوم مئو

باہتمام

مجلس علمی مفتاح العلوم

قیمت ۲/۸

Marfat.com